جنوری ۱۹۹۸ء

38/1

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

حالیہ سیاسی بحران کا خاتمہ

میاں محمد نواز شریف کیلئے مہلت یا آزمائش؟

امیر تنظیم اسلامی کا ۱۲/ دسمبر ۹۷ء کا خطاب جمعہ

فضیلتِ صیام و قیامِ رمضان

بزبانِ صاحبِ قرآن صلی اللہ علیہ وسلم

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَلَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ

وَمَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَلَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ

وَمَنْ قَامَ لَیْلَۃَ الْقَدْرِ اِیْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَلَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ

(رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جس نے رمضان کے روزے رکھے ایمان اور خود احتسابی کی کیفیت کے ساتھ اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے گئے۔ اور جس نے رمضان (کی راتوں) میں قیام کیا (قرآن سننے اور سنانے کے لئے) ایمان اور خود احتسابی کی کیفیت کے ساتھ اس کے بھی تمام سابقہ گناہ معاف کر دیئے گئے۔ اور جو لیلۃ القدر میں کھڑا رہا (قرآن سننے اور سنانے کے لئے) ایمان اور خود احتسابی کی کیفیت کے ساتھ اس کی بھی سابقہ تمام خطائیں بخش دی گئیں!"

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اس میثاق کو یاد کرو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی۔

لائبریری ★ قرآن اکیڈمی

ماہنامہ میثاق لاہور

جلد : ۴۷
شمارہ : ۱
رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ
جنوری ۱۹۹۸ء
فی شمارہ -/۱۰
سالانہ زر تعاون -/۱۰۰

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

سالانہ زر تعاون برائے بیرونی ممالک

- امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ — 22 ڈالر (800 روپے)
- سعودی عرب، کویت، بحرین، قطر، عرب امارات، بھارت، بنگلہ دیش، افریقہ، ایشیا، یورپ، جاپان — 17 ڈالر (600 روپے)
- ایران، ترکی، اومان، مسقط، عراق، الجزائر، مصر — 10 ڈالر (400 روپے)

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

ادارۂ تحریر
شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید
حافظ خالد محمود خضر

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت : 36۔کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700۔فون : 03-02-5869501
مرکزی دفتر تنظیم اسلامی : 67۔گڑھی شاہو، علامہ اقبال روڈ، لاہور، فون : 6305110
پبلشر : ناظم مکتبہ، مرکزی انجمن، طابع : رشید احمد چودھری، مطبع : مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

☆ عرض احوال ۳
حافظ عاکف سعید

☆ تذکرہ و تبصرہ ۵
میاں محمد نواز شریف کے لئے مہلت یا آزمائش؟
امیر تنظیم اسلامی کا ۱۲/ دسمبر ۹۷ء کا خطاب جمعہ

☆ منہج انقلاب نبوی ﷺ (۲) ۲۸
انقلابی جدوجہد کے لوازم و مراحل —— اور
انقلاب نبویؐ کے پہلے دو مرحلے : دعوت اور تنظیم
ڈاکٹر اسرار احمد

☆ دعوت و تحریک ۳۹
تنظیم اسلامی کی دعوت
مختار حسین فاروقی

☆ امت مسلمہ کی عمر ۵۵
اور مستقبل قریب میں مہدی کے ظہور کا امکان (۸)
مترجم : پروفیسر خورشید عالم

☆ فکر عجم (۷) ۶۱
آنحضور ﷺ اور سلطنت فارس
ڈاکٹر ابو معاذ

☆ آمد بہار کی ہے..... ۶۹
رحمت اللہ بٹر

☆ داستان عزیمت ۷۳
امام شامل (۴)
ترتیب و ترجمہ : اظہار احمد قریشی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض احوال

صاحب تدبر قرآن، مولانا امین احسن اصلاحی ایک طویل علالت کے بعد گزشتہ ماہ کی ۱۴ تاریخ کو ۹۳ سال کی عمر میں رفیق اعلیٰ کی طرف مراجعت اختیار کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون، اللّٰھم اغفرلہٗ وارحمہٗ وادخلہٗ فی رحمتک

مولانا مرحوم کے بارے میں یہ بات تو سب جانتے ہیں کہ وہ غلبہ و اقامتِ دین کے لئے وجود میں آنے والی تحریک ـــــ جماعت اسلامی ـــــ کے ساتھ مسلسل سولہ سترہ برس تک نہایت فعال انداز میں وابستہ رہے۔ انہیں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم کے بعد جماعت کی صفِ دوم کی نمایاں ترین شخصیت شمار کیا جاتا تھا اور یہ بھی کہ وہ ایک بلند پایہ عالم ہی نہیں مفسرِ قرآن بھی تھے ـــــ لیکن یہ بات شاید اکثر قارئین کے علم میں نہ ہو گی کہ ماہنامہ "میثاق" کا اجراء بھی ابتداءً مولانا اصلاحی مرحوم نے ۱۹۵۹ء میں کیا تھا ـــــ ۱۹۵۸ء میں جماعت اسلامی سے علیحدگی کے بعد مولانا نے، جن کا مستقل قیام لاہور میں تھا، ایک جانب تفسیر تدبر قرآن کی تحریر و تسوید کی طرف اپنی توجہات کو مرکوز کیا اور دوسری جانب "میثاق" کے نام سے ایک ماہانہ جریدے کا اجراء کیا۔ وسائل اور معاونین کی کمی کے باعث "میثاق" کی اشاعت کا سلسلہ زیادہ دیر جاری نہ رہ سکا اور اغلباً ۱۹۶۴ء میں مولانا نے اسے بند کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

۱۹۶۵ء میں محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے اپنی لاہور منتقلی کے بعد جب اپنے طور پر دعوت رجوع الی القرآن کے مبارک و مسعود کام کا آغاز کیا اور لاہور کی مختلف آبادیوں میں ہفتہ وار دروسِ قرآن کے حلقے قائم کئے تو ساتھ ہی غلبہ و اقامت دین کے لئے ایک اصولی انقلابی جماعت کی تشکیل کی خاطر "تنظیم اسلامی" کے قیام کی کوشش کا آغاز بھی کر دیا۔ اس موقع پر ضرورت محسوس ہوئی کہ ہم خیال لوگوں سے رابطے اور اپنی دعوت اور افکار کی اشاعت کے لئے ایک ماہانہ جریدے کا اجراء ناگزیر ہے۔ چنانچہ محترم ڈاکٹر صاحب نے "الرسالہ" کے نام سے ایک ماہانہ جریدے کا ڈکلریشن حاصل کر لیا۔ مولانا اصلاحی مرحوم کو، جن سے اس زمانے میں محترم ڈاکٹر صاحب کے روابط نہایت گہرے تھے اور ایک ہی شہر میں رہائش پذیر ہونے اور گہری فکری و نظری ہم آہنگی کے باعث مسلسل رابطہ رہتا تھا، جب "الرسالہ" کے بارے میں معلوم ہوا تو انہوں نے محترم ڈاکٹر صاحب سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ کوئی نیا جریدہ نکالنے کی بجائے "میثاق" ہی کا از سرِ نو اجراء کریں جس کا ڈکلریشن ابھی تک مولانا کے نام سے محفوظ تھا۔ یوں اگست ۶۶ء سے میثاق کے دورِ

ثانی کا آغاز ہوا اور مولانا اصلاحی کی سرپرستی میں یہ جریدہ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے زیرادارت شائع ہونے لگا۔

مولانا امین احسن اصلاحی مرحوم کے ساتھ امیر تنظیم اسلامی کے قریبی ربط و تعلق کی داستان کم و بیش رُبع صدی پر محیط ہے۔ مولانا مرحوم سے اپنے اولین تعارف کا ذکر کرتے ہوئے امیر تنظیم اپنی کتاب "دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر" میں لکھتے ہیں :

"مولانا امین احسن اصلاحی کے ساتھ تعلق کا آغاز تو مولانا مودودی کی طرح ۱۹۴۷ء ہی میں ہو گیا تھا۔ (بلکہ راقم نے مولانا مودودی اور مولانا اصلاحی دونوں کو پہلی بار ۱۹۴۶ء میں دارالاسلام پٹھانکوٹ میں دیکھا تھا جہاں وہ اپنے بڑے بھائی اظہار احمد صاحب کی معیت میں حاضر ہوا تھا) لیکن ۱۹۵۱ء تک یہ تعلق کلیتاً یک طرفہ تھا یعنی صرف ان کی تقریریں اور درس سن لینے تک محدود تھا۔ تا آنکہ نومبر ۱۹۵۱ء کی ایک شام کو وائی' ایم' سی' اے ہال لاہور میں راقم نے اسلامی جمعیت طلبہ پاکستان کے تیسرے سالانہ اجتماع کے موقع پر مولانا کے زیرصدارت اپنی وہ پہلی عوامی تقریر کی جو اَب تک جمعیت کے دعوتی لٹریچر کا اہم جزو ہے اور "ہماری دعوت اور ہمارا طریق کار" کے عنوان سے طبع ہوتی ہے۔ راقم کی اس تقریر کی تعریف و تحسین مولانا نے دل کھول کر فرمائی ـــــ اور یہیں سے وہ "یک طرفہ تعلق" باقاعدہ "دو طرفہ تعلقات" میں تبدیل ہو گیا ـــــ دسمبر ۱۹۵۱ء اور جولائی ۱۹۵۲ء میں جمعیت طلبہ کی دو تربیت گاہوں میں راقم ناظم کی حیثیت سے شریک رہا اور مولانا معلم و مربّی کی حیثیت سے' اس سے ان تعلقات کی گہرائی و گیرائی میں نمایاں اضافہ ہوا ـــــ بعد کے چار سالوں کے دوران بے تکلف ملاقاتوں سے یہ تعلق مزید استوار ہوا ـــــ ۱۹۵۶ء میں جماعت اسلامی کی مرکزی مجلس شوریٰ کے اجلاس میں مولانا نے راقم کے متذکرہ بالا اختلافی بیان کی نہایت شاندار الفاظ میں تصویب و تائید کی۔ اس طرح جماعت میں پالیسی کے بارے میں جو اختلاف رائے ہوا اس کے ضمن میں بھی ع "ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز" کے مصداق مولانا اور راقم ایک ہی صف میں شامل ہو گئے ـــــ ۱۹۵۸ء میں جب مولانا نے بھی جماعت کو خیرباد کہہ دیا اور کسی نئی تعمیر کی فکر میں "مشاورتوں" کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوا تو اس میں بھی مسلسل ساتھ رہا"۔

(باقی صفحہ ۷۹ پر)

لائبریری ★ قرآن اکیڈمی ★

تذکرہ و تبصرہ

ڈاکٹر اسرار احمد

حالیہ سیاسی بحران کا خاتمہ
میاں محمد نواز شریف کیلئے مہلت یا آزمائش؟

امیر تنظیم اسلامی کا ۱۲/ دسمبر ۹۷ء کا خطاب جمعہ

خطبہ مسنونہ' سورۃ الانبیاء کی آیات (۱۰۵ تا ۱۱۲) کی تلاوت اور ادعیہ ماثورہ کے بعد :

شکر در شکر کا مقام

تقریباً پانچ ہفتے کی غیر حاضری کے بعد اس مسجد میں حاضری ہوئی ہے۔ اس عرصے میں جو قیامت پاکستان میں دستوری' آئینی اور عدالتی سطح پر گزری ہے' سب سے پہلے میں اس کے ضمن میں "شکر در شکر" کے عنوان سے کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ ایک بہت ہی معروف مصرعہ ہے ع شکر صد شکر کہ جنازہ بمنزل رسید! یعنی "شکر بلکہ سو مرتبہ شکر کہ بالاخر اونٹنی اپنی منزل پر پہنچ گئی"۔ لیکن یہاں "شکر صد شکر" والا مرحلہ تو نہیں ہے' وہ بات تو ابھی بہت دور ہے' تاہم "شکر در شکر" والی بات ہے۔ اور وہ اس اعتبار سے کہ بحمد اللہ' اللہ کا خصوصی فضل و کرم ہوا ہے کہ ملک میں جو بھی بحران تھا وہ کم سے کم ظاہری طور پر ختم ہو گیا ہے۔ یہ "ظاہری" کا لفظ بہت اہم ہے۔ اس لئے کہ یہ بحران حقیقتاً ابھی ختم نہیں ہوا' لیکن اس کے اندر جو شدید فوری خطرات مضمر تھے وہ الحمد للہ ٹل گئے ہیں۔

ذاتی طور پر میرے لئے "شکر در شکر" والا معاملہ یہ ہے کہ اللہ کے فضل و کرم سے میں اس عرصے کے دوران ملک میں موجود نہیں تھا' ورنہ واقعہ یہ ہے کہ یہ بحرانی دوران حساس لوگوں کے لئے' جو ملک و قوم کے ماضی و حال کے ساتھ ساتھ اس کے مستقبل کے بارے میں بھی سوچتے ہیں' نہایت اعصاب شکن دور تھا۔ دس بارہ ہزار میل کے فاصلے پر

ہمیں اس بحران کی جو خبریں مختلف ذرائع سے کبھی کبھی پہنچ جاتی تھیں وہی نہایت درجے تشفی ہوتی تھیں اور ان سے ہمیں ان حساس لوگوں کے احساسات کا اندازہ ہوتا تھا جو صبح و شام ان خبروں کی بمباری کی زد میں ہیں کہ صبح کچھ ہے شام کچھ ہے' کبھی امید بنتی ہے کبھی ٹوٹتی ہے' صبح لڑائی ہے' دوپہر میں صلح ہے اور شام کو پھر لڑائی ہے۔ اور یہ ہو رہا تھا عدلیہ اور انتظامیہ کی بلند ترین سطح پر۔ واقعہ یہ ہے کہ میں ذاتی طور پر محسوس کرتا ہوں کہ اگر میں یہاں ہوتا تو یہ لحظہ بہ لحظہ اعصاب شکن بمباری میرے لئے تو شاید جان لیوا ثابت ہوتی۔ چنانچہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ مجھ پر اللہ کا بڑا فضل و کرم ہوا ہے۔ میں سات نومبر کو لاہور سے نکلا تھا' تین دن کراچی میں گزارنے کے بعد ۱۱ نومبر کو لندن گیا۔ وہاں سات آٹھ دن لندن' کیمبرج اور ریڈنگ یونیورسٹی وغیرہ میں اپنے پروگراموں میں مشغول رہا۔ وہاں تو خاص خبریں بھی نہیں پہنچ رہی تھیں۔ ۱۹ نومبر کو میں وہاں سے نیویارک گیا۔ تقریباً ایک ہفتہ نیو جرسی ایریا میں گزرا۔ وہاں رٹ گرز یونیورسٹی کے علاقے میں ہمارے ہم خیال طلبہ کا بڑا اچھا فعال حلقہ ہے۔ تنظیم اسلامی نارتھ امریکہ (TINA) وہاں پر ذہین و فطین نوجوانوں کا ایک حلقہ منظم کرنے میں کامیاب ہوئی ہے۔ پھر ایک ہفتہ ٹیکساس میں گزرا' جو USA کی بالکل جنوبی سرحد ہے۔ وہاں پر ہوسٹن میں تنظیم اسلامی نارتھ امریکہ کا سالانہ کنونشن تھا۔ اس کے بعد میری پاکستان واپسی ۸ دسمبر کو ہوئی ہے۔ بہرحال بیرون ملک بھی مجھے ان حالات سے جو فکر اور تشویش لاحق رہی ہے میں اس پر قیاس کرتے ہوئے عرض کر رہا ہوں کہ خدانخواستہ اگر میں اس پورے عرصے میں یہاں موجود رہتا تو میرے قلب و ذہن پر اس کے منفی اثرات مرتب ہوتے۔ ظاہر ہے کہ میرا شمار قطار' میری آمد و رفت اور میرا ملنا جلنا اس حلقے میں تو ہے نہیں کہ میں اس بحران کے حل میں کوئی مفید خدمت سرانجام دے سکتا۔ چنانچہ اس کے سوا اور کیا باقی رہ جاتا ہے کہ انسان ایسی صورتحال پر ہر وقت کڑھتا رہے اور صدمہ و رنج محسوس کرے۔ اس اعتبار سے میں نے "شکر در شکر" کی اصطلاح استعمال کی ہے۔

البتہ میں نے اپنی آج کی گفتگو کے لئے جو اخباری اعلان شائع کرایا ہے اس میں میں نے سورۂ انبیاء کی آخری سے پہلی آیت (آیت ۱۱۱) کا حوالہ دیا ہے' بلکہ اس کا پورا ترجمہ

دیا ہے' جس میں نبی اکرم ﷺ کو حکم دیا جا رہا ہے : "فرما دیجئے کہ میں نہیں جانتا' ہو سکتا ہے کہ یہ تمہارے لئے ایک بڑی آزمائش اور (اس بڑی آزمائش کے لئے) تھوڑی سی مدت کے لئے ایک مہلت ہو"۔ بڑے ہی تنبیہ آمیز الفاظ ہیں۔ ظاہر ہے کہ آزمائش کے لئے کچھ نہ کچھ مہلت درکار ہے۔ پوری انسانی زندگی کا فلسفہ یہی ہے۔ از روئے الفاظ قرآنی : ﴿خلق الموت والحیوہ لیبلوکم ایکم احسن عملا﴾ "اس نے زندگی اور موت کو پیدا کیا تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون اچھے عمل کرنے والا ہے"۔ اور بقول علامہ اقبال ؎

قلزم ہستی سے تو ابھرا ہے مانند حباب
اس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی!

اور امتحان کے لئے وقت درکار ہوتا ہے۔ اگر تین گھنٹے وقت دیا گیا ہے تو اس وقت کے اندر اندر آپ کو پرچہ کرنا ہے' جتنا کچھ لکھ سکتے ہیں لکھ لیجئے۔ اسی طرح مہلت عمر کا معاملہ ہے۔ زیر نظر آیت مبارکہ میں بھی ایک مہلت کا تذکرہ ہے کہ شاید وہ آخری گھڑی ٹل گئی ہو۔ وہ بھی اس لئے کہ تمہیں آزمائش کا ایک موقع اور دے دیا جائے۔ یہ جو آزمائش کا موقع ہے وہ بھی دو اعتبارات سے ہے۔ میرے نزدیک اس کا خوفناک ترین پہلو یہ ہے کہ یہ پورے ملک کے لئے ایک بہت بڑی اور شاید آخری آزمائش اور آخری موقع ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وقت کے اعتبار سے پاکستان کی تاریخ میں بہت بڑے بڑے danger zone گزرے ہیں۔

قیام پاکستان کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہمیں ۲۵ برس کی مہلت عمل دی' تاکہ ﴿فننظر کیف تعملون﴾ کہ تم نے نعرے تو بڑے لگائے تھے: "پاکستان کا مطلب کیا' لا الٰہ الا اللہ' لو ہم تمہیں پاکستان دیتے ہیں' اب ہم دیکھیں گے کہ تم کرتے کیا ہو"۔ لیکن ۲۵ برس کی طویل مہلت عمل میں ہم چونکہ بالکل ناکام ثابت ہوئے' لہٰذا عذاب الٰہی کا کوڑا ہماری پیٹھ پر برسا۔ یہی ماہ دسمبر تھا' اس کے وسط کا زمانہ تھا اور ایک قیامت تھی جو اس وقت پاکستان پر گزر رہی تھی۔ تاریخ کی بدترین اور شرمناک شکستوں میں ایک شکست ہمارے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ بنی۔ ہمارے ۹۳ ہزار کڑیل جوان ہندو کی قید میں گئے

جن میں سے ۴۳ ہزار ہماری مسلح افواج سے متعلق تھے' جرنیل سے لے کر سپاہی تک۔ اس قیامت کو گزرے اب ۲۵ برس سے کچھ زیادہ عرصہ ہو گیا ہے۔ سانحہ سقوط مشرقی پاکستان کے ۲۵ برس پورے ہونے کے بعد' یعنی قمری اعتبار سے پاکستان کی عمر ۵۰ برس پوری ہو چکنے کے بعد سے اب جو دور گزر رہا ہے میں اسے وقت کے اعتبار سے "danger zone" کہتا ہوں' جس میں یہ حالیہ بحران اس ملک کے لئے بڑا ہی نازک مسئلہ تھا۔ اب اگر بحران کے بادل چھٹے ہیں تو میرے نزدیک یہ شاید آخری موقع ہو۔

شریف برادران کے لئے آزمائش کا مقام

دوسرے درجے پر اس بحران کا ٹل جانا نہ صرف میاں محمد نواز شریف صاحب کے لئے بلکہ پوری شریف فیملی کے لئے ایک بہت بڑی آزمائش ہے۔ تاریخ میں آپ نے بہت سے نام سنے ہوں گے۔ سید برادران' علی برادران وغیرہ کی طرح بہت سے "برادران" کا مختلف حوالوں سے تاریخ میں تذکرہ آتا ہے۔ اسی طرح اس وقت اس ملک کی قسمت سب سے بڑھ کر دو "شریف برادران" کے ہاتھ میں آگئی ہے اور یہ دونوں برادران اس سے جس طرح کا معاملہ کر رہے ہیں اس کے دو پہلو بالکل نمایاں ہو چکے ہیں' جن میں اولین اسلام سے اغماض اور اعراض ہے۔ انہوں نے دو مرتبہ میرے ہاں آکر اور ایک مرتبہ جب میں ان کے ہاں گیا تو انہوں نے جو کچھ تاثر دیا تھا اس کی طرف تا حال ایک ذرہ برابر اقدام نہیں کیا۔ میرے نزدیک اس سے بڑا جرم اور کوئی نہیں ہے۔ دوسری طرف اس سے بھی خطرناک معاملہ ذاتی استکبار اور استبداد کا ہے۔ اور یہ دونوں چیزیں یعنی ایک طرف اللہ سے بغاوت اور دوسری طرف خلق خدا سے بغی و طغیان ظلم کے دو پہلو ہیں۔ قرآن مجید میں عدل و قسط کی جو اہمیت ہے' اس سے کون انکار کر سکتا ہے؟ از روئے قرآن اقامت دین کا اصل مقصد ہی عدل و انصاف کا قیام ہے۔ سورۃ الشوریٰ کی آیت ۱۳ میں "ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ" کا حکم دینے کے بعد آیت ۱۵ میں فرمایا: "وامرت لاعدل بینکم" یعنی "(کہہ دیجئے اے محمدؐ کہ) مجھے حکم ہوا ہے تمہارے مابین عدل قائم کرنے کا"۔ بنیادی طور پر یہ دو ہی چیزیں مطلوب ہیں۔ اللہ کا دین قائم کرو

اور خلق خدا میں عدل قائم کرو۔ اسی اعتبار سے شریعت کی تقسیم "حقوق اللہ" اور "حقوق العباد" کی صورت میں کی جاتی ہے۔ اللہ کا حق یہ ہے کہ اس کی حاکمیت کو تسلیم کرو۔ (ان الحکم الا للہ) اور خود خلافت پر قانع رہو۔ خود اس کبریائی کی چادر کو اس کے شانے سے کھینچنے کی کوشش مت کرو۔ یہ الفاظ ایک حدیث قدسی کے ہیں کہ "الکبر ردائی"۔ یعنی "تکبر میری چادر ہے" یہ جامہ صرف مجھ ہی کو راس آتا ہے۔ اور فرمایا کہ جو کوئی اس کو کھینچنے کی کوشش کرتا ہے' تکبر کرتا ہے' وہ گویا میرے شانے سے میری چادر کو گھسیٹ رہا ہے' اس کے خلاف میرا اعلان جنگ ہے۔ کسی کے شانے سے اس کی چادر کو گھسیٹ لینا عرب میں انتہائی تذلیل و توہین کے مترادف سمجھا جاتا تھا۔ اسی سورۃ الشوریٰ کے آخری حصے میں بہت ہی جامع آیت آئی ہے: ﴿انما السبیل علی الذین یظلمون الناس ویبغون فی الارض بغیر الحق' اولئک لھم عذاب الیم ○﴾ یعنی "اصل ملامت کے قابل تو وہ ہیں جو لوگوں کے حق غصب کرتے ہیں اور زمین میں ناحق بغاوت کرتے ہیں (اللہ کے محکوم بننے کے بجائے خود حاکم بن بیٹھتے ہیں) یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے دردناک ترین عذاب ہے"۔

حالیہ بحران کے بارے میں مجموعی تاثر

میرا خیال تھا کہ میں پاکستان واپس آکر اس بحرانی دور سے متعلق اخبارات دیکھوں گا۔ ہمارے ہاں شعبہ نشرواشاعت میں اہم خبروں کی فائل بھی تیار ہو جاتی ہے' لیکن میں نے کسی چیز کو نہیں دیکھا۔ اس لئے کہ تفاصیل میں جاکر سوائے اس کے کہ دل اور روئے اور صدمہ مزید گہرا ہو اور کیا حاصل؟ تو میں اس بحران کے بارے میں جو کچھ عرض کر رہا ہوں وہ یوں سمجھئے کہ اس پوری صورتحال کا ایک مجموعی تاثر ہے جو میرے سامنے آیا ہے۔ میرے لئے جزئیات میں جانا ممکن نہیں ہے۔ کس پر کتنا الزام آتا ہے' کس کی کتنی ذمہ داری ہے اور کون کتنا بڑا مجرم ہے' اس کی تعیین کوئی آسان کام نہیں۔ اس کے لئے تو کوئی بہت بڑا بااختیار کمیشن تحقیقات کے لئے بیٹھے' جو سب کے بیانات بھی لے سکے اور سب اس کے سامنے حاضر بھی ہوں' تب کہیں جاکر شاید یہ معین کیا جاسکے کہ اس معاملہ

میں کس کی ذمہ داری سب سے زیادہ تھی۔ جیسا کہ سورۂ نور میں واقعہ افک کے ضمن میں "والذی تولی کبرہ منھم" کے الفاظ آئے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر جو تہمت لگائی گئی تھی اس میں اگرچہ بعض مخلص مومنین صادقین بھی اپنی سادہ لوحی کی وجہ سے منافقین کی آواز میں اپنی آواز ملا رہے تھے' لیکن اس سارے معاملے میں جس شخص نے اپنے اوپر سب سے بڑا بوجھ اٹھایا وہ عبداللہ بن ابی تھا۔ تو ایسے ہی کوئی نہ کوئی عبداللہ بن ابی یہاں پر بھی ہے اور اس کے ساتھ دوسرے لوگوں کا بھی حصہ رسدی پہنچتا ہے' لیکن نہ تو میں اس کی واضح تعیین کی ضرورت محسوس کرتا ہوں اور نہ ہی میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ میرے لئے ممکن ہے۔

میرے نزدیک یہ بحران اصل میں انتظامیہ اور عدلیہ کے مابین محاذ آرائی پر مشتمل تھا۔ اگرچہ اس میں نام مقننہ کا آتا رہا ہے اور بار بار پارلیمنٹ کا ذکر کیا جاتا رہا ہے لیکن درحقیقت یہ پارلیمنٹ کا جھگڑا نہیں تھا۔ پارلیمانی نظام میں سب سے بڑی حماقت یہ کی گئی ہے کہ مقننہ اور انتظامیہ دونوں کو گڈمڈ کر دیا گیا ہے' حالانکہ مقننہ (Legislature) اور انتظامیہ (Administration) دو علیحدہ شعبے ہیں۔ اور دنیا میں عمرانی ارتقاء کا عمل اپنی انتہا تک پہنچا ہے تو اس نے صدارتی نظام کی صورت اختیار کی ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ ہم یہ بات چھ سات سال سے کہہ رہے ہیں کہ یہاں صدارتی نظام نافذ کیا جائے اور پارلیمانی نظام کی لعنت کو ختم کیا جائے۔ بہرحال عدلیہ کے ساتھ محاذ آرائی کا معاملہ پارلیمنٹ یا مقننہ (Legislature) کا نہیں' انتظامیہ کا تھا۔ یہ وزیراعظم کے اقتدار اور اختیار کا معاملہ تھا۔ دوسری طرف عدلیہ تھی۔ مقننہ کو تو چودھویں ترمیم کے نتیجے میں non-entity بنا دیا گیا تھا۔ حالانکہ فلور کراسنگ پر تو پابندی لگنی چاہئے تھی لیکن اظہار خیال پر پابندی لگا دینا کہ تنقید بھی نہیں ہو سکتی' یہ تو بدترین قسم کی آمریت ہے۔ اس حوالے سے تو پارلیمنٹ کی حیثیت ربڑ سٹمپ کے سوا کچھ بھی نہیں رہی تھی۔ چنانچہ اس کا تو صرف نام لیا گیا ہے۔ جہاں تک صدر صاحب کا تعلق ہے وہ بے دست و پا تھے' اس لئے کہ تیرھویں ترمیم کے ذریعے ان کا "ڈنگ" نکال دیا گیا تھا اور اب وہ کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ اگرچہ ایک موقع آیا تھا کہ جب جسٹس سجاد حسین صاحب نے تیرھویں ترمیم معطل

کر دی تھی تو وہ فوری طور پر ایکشن کر کے اسمبلی توڑ سکتے تھے لیکن اس طرح کے تعطل کی حالت میں اس دفعہ کو استعمال کرنا ایک مختلف چیز تھی۔ اس میں اور تیرھویں ترمیم کی منظوری سے پہلے ان کے اختیار میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اس بحران میں صدر صاحب بھی خواہ مخواہ عدلیہ کے ساتھ نتھی ہو گئے۔ چنانچہ صورتحال یہ بن گئی کہ انتظامیہ اور مقننہ ایک طرف' جس میں کہ مقنّنہ کی کوئی حیثیت نہیں تھی' اصل فریق انتظامیہ تھی' جبکہ عدلیہ اور صدارت دوسری طرف' جس میں اصل فریق عدلیہ تھی اور صدر اس کے ساتھ محض نتھی تھا۔

اس محاذ آرائی میں جہاں تک عدلیہ کا معاملہ ہے تو اگرچہ میرے نزدیک ابتدا میں اس کا طرز عمل بہت شاندار' باوقار اور باعزت تھا لیکن پھر جب دوبدو جنگ شروع ہو گئی اور بات "تم نہیں یا ہم نہیں" تک پہنچ گئی تو اس کے بعد سے اس کا طرز عمل قابل رشک نہیں رہا۔ اور اس محاذ آرائی سے سب سے بڑھ کر جو زخم لگا ہے وہ عدلیہ ہی کو لگا ہے' جس کا وقار' حیثیت اور مقام و مرتبہ مجروح ہوا ہے۔ عدلیہ کی تقسیم سے بڑی مضحکہ خیز شکل سامنے آئی ہے' لیکن اس کے پیدا کرنے میں خود عدلیہ کے آخری دور کے بعض اقدامات بھی ذریعہ بنے ہیں' جو محسوس ہوتا ہے کہ بہت ہی افراتفری میں کئے گئے' جیسے کہ کسی کی جان پر بن جاتی ہے تو وہ (by hook or by crook) ہر ذریعہ استعمال کرتا ہے۔ دوسری طرف حکومت کی طرف سے بھی ناتجربہ کاری اور غیر سنجیدگی کا مظاہرہ کیا گیا۔ بات سپریم کورٹ پر حملے تک جا پہنچی جو میرے نزدیک انسانیت سے گری ہوئی حرکت ہے۔ دنیا میں پہلے ہی ہماری کون سی عزت و آبرو تھی کہ اب اس حرکت کے ذریعے اپنا وقار خاک میں ملایا گیا ؎

پہلے ہی اپنی کونسی ایسی تھی آبرو
پر شب کی منتوں نے تو کھو دی رہی سہی

بہرحال یہ صورتحال نہایت افسوسناک' نہایت تشویشناک اور نہایت غور و فکر کے قابل ہے۔ شکر در شکر تو اس بات کا ہے کہ یہ معاملہ ٹل گیا' جس میں بڑے بڑے خطرناک اور گھمبیر امکانات موجود تھے۔ ایک امکان یہ بھی تھا کہ فوج عدلیہ اور صدارت کا ساتھ دیتی

اور پولیس حکومت کا' تو ہماری فوج اور پولیس کا مقابلہ شروع ہو جاتا۔ اس کی جھلک لاہور میں پہلے ایک مرتبہ انہی نواز شریف صاحب کی وزارت علیا کے دوران سامنے آ چکی ہے۔ اس وقت بھی اللہ نے تصادم کو روک لیا تھا اور اب بھی۔ فللہ الحمد

دوسرا امکان یہ بھی تھا کہ انقلاب فرانس جیسے خونی انقلاب کا نقشہ سامنے آجاتا اور خانہ جنگی شروع ہو جاتی۔ اس لئے کہ جیسے سپریم کورٹ پر حملہ ہوا تھا ایسے ہی ایوان صدر پر بھی حملہ ہو سکتا تھا۔ پولیس تو حکومت کے اختیار میں تھی' اس نے اگر سپریم کورٹ پر حملے کو نہیں روکا تو ایوان صدر پر بھی حملے کو کون روکتا' لیکن اگر فوج اپنی ذمہ داری ادا کرتی تو ذرا سوچئے کہ کیا ہوتا؟ پھر انقلاب فرانس کی طرح گلی گلی جنگ ہوتی۔ میرے نزدیک انقلاب فرانس جیسا ہولناک خونی انقلاب تاریخ انسانی میں نہیں آیا۔

تیسرا امکان یہ بھی تھا کہ فوج میں بھی تقسیم ہو جاتی اور میں ۱۲ ہزار میل دور بیٹھا اسی چیز سے سب سے زیادہ خائف تھا۔ اس لئے کہ بعض واقفان راز حضرات جو اسرار درون پردہ سے واقف ہیں ان کا کہنا ہے کہ اندر تو تقسیم موجود ہے۔ آخر وہ بھی انسان ہیں' ان کے بھی جذبات و احساسات ہیں' ان کے اندر بھی مکاتب فکر ہیں اور ان میں ہر طرح کی آراء رکھنے والے لوگ موجود ہیں۔ ٹھیک ہے' اگر انہیں بولنے کا اختیار نہیں ہے تو آپ انہیں "گونگے" کہہ لیجئے لیکن بہرحال وہ بہرے تو نہیں ہیں جو سنتے بھی نہ ہوں' اندھے تو نہیں ہیں جو دیکھتے بھی نہ ہوں اور پڑھتے بھی نہ ہوں۔ اس اعتبار سے ہمارا یہ ایک ادارہ بچا ہوا ہے کہ اس میں تقسیم نہیں ہوئی' یا یوں کہنا چاہئے کہ تقسیم ظاہر نہیں ہوئی' ورنہ دیگر سیاسی اور قومی اداروں کا حشر تو آپ کے سامنے ہے۔ عدلیہ میں جو تقسیم ہوئی ہے اس نے کس قدر مضحکہ خیز صورت اختیار کی ہے' اور وہ تقسیم ابھی برقرار ہے' ختم نہیں ہوئی۔ اس حوالے سے تو بحران ابھی جاری ہے۔ اس کے بعد' جیسا کہ میں نے عرض کیا' لے دے کر ایک فوج ہی رہ گئی ہے۔ اللہ کرے کہ اس میں کوئی ایسی نوبت نہ آئے کہ فوج میں بھی کوئی تقسیم اور اندرونی خلفشار کی صورت بن جائے۔

حالیہ بحران کا ڈراپ سین صدر فاروق احمد خان لغاری کے استعفے پر ہوا ہے۔ یہاں آکر میں نے جو مختلف لوگوں کی گفتگو سنی ہے اور بعض حضرات کے اخباری کالم نظر سے

گزرے ہیں تو یہ بات سامنے آئی ہے کہ کچھ لوگ تو لغاری صاحب کی بے گناہی بلکہ ان کے ایثار و قربانی' بے نفسی اور علو ہمت کے راگ الاپ رہے ہیں اور کچھ لوگ اس کے برعکس کہتے ہیں' اور ظاہر بات ہے کہ حتمی فیصلہ بہت مشکل ہے۔ وجدانی طور پر میں سمجھتا ہوں کہ لغاری صاحب نے تقریباً اسی طرز عمل کا مظاہرہ کیا ہے جو صدر ایوب کا تھا۔ اور تقریباً ۳۰ سال کے وقفے سے ہماری تاریخ میں اس طرح کی مثال سامنے آئی ہے۔ فیلڈ مارشل جنرل ایوب خان جیسے بھی تھے اللہ کے حضور پہنچ چکے ہیں ﴿تلک امۃ قد خلت لھا ما کسبت ولکم ما کسبتم﴾ لیکن ان کے بعض اقدامات لائق تحسین ہیں۔ مثلاً انہوں نے اس ملک کو صنعتی ترقی کی راہ پر ڈالا۔ پھر یہ کہ انہوں نے مارشل لاء بہت تھوڑا عرصہ رکھا۔ اس طرح بہت سی چیزیں ان کے کریڈٹ میں جاتی ہیں۔ اگرچہ اقتدار سے ان کا نکلنا "بڑے بے آبرو ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے" کا مصداق تھا۔ ان کے خلاف جس طرح جلوس نکالے گئے اور جس طرح کتوں کو ہار پہنا کر ایوب بنایا گیا وہ ہمارے عوام کی گری ہوئی سطح کا آئینہ دار ہے۔ لیکن ظاہر بات ہے کہ وہ دینی آدمی نہیں تھے' بلکہ وہ "عائلی قوانین" کے ذریعے اس ملک میں دین کے اندر بہت بڑا رخنہ پیدا کر کے گئے ہیں' جو شریعت کے بالکل خلاف قوانین تھے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ان میں ایک عنصر شرافت کا بھی تھا۔ جب ہمارے ہاں کے سیاست دانوں نے انہیں مجبور کر دیا کہ شیخ مجیب الرحمٰن کے خلاف قائم اگر تلہ سازش کیس واپس لیا جائے تو اس وقت اس شخص کے الفاظ یہ تھے :

"I am not ready to preside over the disintegration of Pakistan."

یعنی تمہارے اس مطالبے کے پورا ہونے کے نتیجے میں پاکستان ٹوٹ جائے گا اور میں ایسے پاکستان کا صدر نہیں رہنا چاہتا۔ لہٰذا انہوں نے استعفاء دے دیا۔ اس مرحلے پر بھی انہوں نے بہت بڑی غلطی اور بہت بڑا جرم کیا کہ اقتدار سینٹ کے چیئرمین کے حوالے کرنے کے بجائے انہوں نے جنرل یحییٰ خان کے حوالے کر دیا۔ لیکن میں اس وقت صرف ان کی شرافت کے عنصر کا ذکر کر رہا ہوں۔ میرے نزدیک صدر لغاری صاحب کا رول بھی لگ

بھگ ایسا ہی ہے۔ یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے بزدلی دکھائی' انہیں ڈٹ جانا چاہئے تھا' ان کے لئے کام کرنے کا موقع تھا لہٰذا انہیں کام کرنا چاہئے تھا۔ اور دوسری طرف ان کے طرز عمل کو تحمل پر محمول کیا جا سکتا ہے۔ اور بزدلی اور تحمل میں ع "مردی و نامردی قدے فاصلہ دارد" کے مصداق فرق تو بہرحال ہوتا ہے' خواہ باریک سہی۔ تو کہنے کو اسے بزدلی کہئے' کم ہمتی کہئے' لیکن اگر کوئی اسے قربانی اور ایثار سے تعبیر کرنا چاہئے تو میں سمجھتا ہوں کہ اس کے لئے بھی مواد موجود ہے۔

اسی طرح جہاں تک فوج کے کردار کا تعلق ہے' یہ تو اللہ ہی جانتا ہے یا خود فوج جانتی ہے کہ اس نے یہ کردار از خود اختیار کیا یا کسی داخلی دباؤ یا کسی خارجی اشارے پر کیا۔ یہ تینوں امکانات موجود ہیں۔ اگر از خود کیا تو بہت بڑی بات ہے' بہت اعلیٰ بات ہے۔ اگر اس میں کوئی داخلی عوامل کارفرما ہوئے ہیں یا کوئی خارجی اشارہ ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے لئے یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ لیکن نتیجہ بہرحال یہ نکلا ہے کہ ہم اس بحران سے نکل آئے ہیں۔

حالیہ سیاسی بحران سے اخذ کردہ دو نتائج

اب اس ساری صورتحال سے دو بڑے بڑے نتائج اخذ کئے جانے چاہئیں۔ پہلا نتیجہ جسے میں ڈنکے کی چوٹ بیان کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ نہ صرف نواز شریف صاحب میں بلکہ پوری شریف فیملی میں شدید ترین آمریت کے بدترین اور مہلک ترین (Most Virulent) جراثیم موجود ہیں اور بدقسمتی سے ان کے بارآور ہونے کے لئے یہاں مواقع بھی موجود ہیں۔ آپ کے علم میں ہو گا کہ دنیا میں بدترین آمریتیں فوجی آمریتیں نہیں رہیں بلکہ بدترین آمریتیں وہ ہیں جو سیاسی میدان سے اٹھی ہوں۔ ہٹلر کون تھا؟ وہ کوئی جرنیل تو نہیں تھا۔ اسی طرح مسولینی بھی کوئی جرنیل نہیں تھا۔ کسی وقت کوئی پارٹی کسی وجہ سے اتنی طاقتور ہو جائے کہ اس کے لیڈر کے دماغ میں خناس بھر جائے تو وہ اصل آمر بن کر سامنے آ جاتا ہے اور اس بدترین آمریت کے لئے پاکستان میں اب فضا موجود ہے۔ اگرچہ ہمارے لئے شکر در شکر بلکہ شکر صد شکر کا مقام ہے کہ ہم اس پوری

صورتحال سے اس طرح نکل آئے ہیں جیسے کسی وقت ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ کسی خوفناک حادثے سے بال بال بچ گئے ہیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی گاڑی زناٹے کے ساتھ آپ کو چھوتی ہوئی ایسے گزر گئی کہ بال برابر بھی فرق ہوتا تو آپ نہیں تھے۔ اس وقت ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کسی نے ہاتھ دے کر بچالیا ہو اور ہاتھ دینے والے واقعتاً موجود ہوتے ہیں۔ قرآن حکیم میں فرمایا گیا: "یرسل علیکم حفظہ" کہ اللہ تم پر نگران اور محافظ (فرشتے) بھیجتا رہتا ہے۔ چنانچہ سب سے بڑے باڈی گارڈ تو اللہ کے فرشتے ہیں' جب تک موت کا وقت نہیں آتا اس وقت تک موت نہیں آسکتی اور کبھی کبھی محسوس ہوتا ہے جیسے کسی نے بالفعل ہاتھ دے کر بچالیا ہے ورنہ بچنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ تو واقعہ یہ ہے کہ اسی طرح کی صورتحال سے ہم بچ نکلے ہیں۔ لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ ایک تو آمریت کا شدید خطرہ موجود ہے جس کو پوری طرح سمجھنے کی ضرورت ہے۔ پارلیمنٹ کے نام سے جس جبر و استبداد' ظلم اور Repression کا آغاز ہو رہا ہے اگر اس کو بروقت چیک نہ کیا گیا تو وہ بہت خوفناک ہو گا۔ اور میں یہ بات پھر دہرا رہا ہوں کہ اس کے لئے طاقت ور جراثیم ایک شخص کے اندر موجود ہیں۔ مثال کے طور پر جب آپ کا گلا وغیرہ خراب ہو جاتا ہے جو درحقیقت ہوتا یہ ہے کہ بیماری کے جراثیم جسم میں پہلے سے موجود ہوتے ہیں' لیکن جسم کی قوت مدافعت ان کو دبائے رکھتی ہے۔ یہ قوت مدافعت جب ذرا کمزور پڑتی ہے تو یہ جراثیم آپ پر حاوی ہو جاتے ہیں۔ اور یہی بات اب اس ملک میں ہو چکی ہے کہ یہاں اب اپوزیشن کمزور ہے' بلکہ اس حوالے سے تو اپوزیشن کا وجود ہی نہیں۔ پہلے کبھی یہ ہوتا تھا کہ اپوزیشن ادھر نہیں تھی اور اب اپوزیشن ادھر نہیں رہی اور یہ چیز خطرناک ہے۔ اپوزیشن سیاسی سطح پر قوت مدافعت (Resistance) کا کردار ادا کرتی ہے اور وہ یہاں پر اس درجے غیر موثر ہو چکی ہے کہ بدترین آمریت کے مواقع موجود ہیں۔

تاہم میں اس اجتماع جمعہ کی وساطت سے نواز شریف صاحب بلکہ ان کی پوری شریف فیملی' بشمول میاں محمد شریف صاحب تک دو باتیں پہنچانا چاہتا ہوں۔ پہلی بات تو اس شعر کے حوالے سے ہے کہ ؎

یہی انجام کا مارا ہوا دل
ہلاک عشرت آغاز بھی ہے!

کوئی شے شروع میں بڑی اچھی' بڑی حسین لگتی ہے۔ خاص طور پر حکومت اور اقتدار میں تو جو شان و شوکت اور کروفر ہوتا ہے وہ بڑا سرور آور ہوتا ہے۔ لیکن اس کا انجام عبرتناک بھی ہو سکتا ہے۔ اس کے لئے سابقہ حکمرانوں میں سے دو مثالیں ہمارے سامنے رہنی چاہئیں۔ ہمارے ملک میں جو شخص سب سے پہلے عوامی آمریت کی راہ پر چلا اس کا نام ذوالفقار علی بھٹو تھا اور جان لینا چاہئے کہ اس کا عوامی Base نواز شریف کے Base سے زیادہ مضبوط تھا۔ وہ کہیں زیادہ طلسماتی شخصیت کا مالک تھا۔ بین الاقوامی سطح کے معاملات اور خارجہ پالیسی میں تو آج تک پاکستان میں کوئی شخص اس کی ٹکر کا پیدا ہی نہیں ہوا۔ اس میں واقعتاً بڑی صلاحیتیں تھیں۔ پورے عالم اسلام میں وہ واحد شخص تھا جو جان فوسٹر ڈلس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر سکتا تھا۔ ڈلس نے کسی اجتماع میں یہ کہا تھا کہ انڈیا اور پاکستان کی مثال دو چھوٹے کتوں کی سی ہے' ایک ہمارے دائیں ٹخنے پر پڑتا ہے تو دوسرا بائیں ٹخنے پر۔ ایک کو ذرا کچھ کھانے کو دیتے ہیں تو دوسرا کاٹتا ہے' دوسرے کو دیتے ہیں تو پہلا کاٹتا ہے۔ اس پر بھٹو نے اسے مخاطب کر کے کہا تھا :

"*Mr. Secretary*,
This time we are going to bite a little higher up."

یعنی اس دفعہ ہمارا کاٹنا آپکے ٹخنے پر نہیں بلکہ کچھ اوپر ہو گا۔ اس شخص کا جو انجام ہوا ہے اس کو سامنے رکھئے! ٹی بی کے ابتدائی مریض کو اگر ٹی بی کا وہ مریض دکھا دیا جائے جو اس کی تھرڈ سٹیج کو پہنچ چکا ہو تو اس کے لئے بڑی سبق آموزی کا باعث بن سکتا ہے۔ ورنہ وہ سمجھتا ہے کہ کوئی بات نہیں' تھوڑا سا بخار چل رہا ہے' کھانسی ہے۔ اب میں کہاں اس کا علاج کراتا پھروں۔ لیکن اسے اگر اسی بیماری کی تھرڈ سٹیج دکھا دی جائے تو اس کے ہوش ٹھکانے آ جائیں گے۔ اسی طرح ایک نیم اسلامی آمر ضیاء الحق کا جو حشر ہوا وہ بھی عبرت کے لئے کافی ہے۔ بسا اوقات وہی بیرونی آقا ہی پھر گردن ناپتے ہیں جن کے کھونٹے پر بندھے رہیں۔ افغان جہاد میں جن کی امداد سے ہمارے جرنیلوں نے ارب ہا ارب روپیہ کمایا وہ

پھر انہی کے ہاتھوں ختم ہوئے۔ تو یہ دو مثالیں نواز شریف صاحب کی عبرت آموزی کے لئے کافی ہیں۔

دوسری بات بھی اسی غزل کے ایک شعر کے حوالے سے کہنا چاہتا ہوں۔ یہ غالباً جگر مراد آبادی کی غزل ہے ؎

سکوتِ لالہ و گل پر نہ جانا
اسی میں شعلہ آواز بھی ہے

یہ پھول خاموش ہیں، بولتے نہیں، لیکن ان کی خاموشی پر مت جایئے۔ عوام کی خاموشی، ان کی طرف سے کسی ردِ عمل کا نہ ہونا، آپ کو کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ کردے۔ برداشت کی آخر حد ہوتی ہے۔ سکوتِ لالہ و گل جب پھٹتا ہے تو بہت خوفناک نتائج پیدا کرتا ہے۔

اس ضمن میں خاص طور پر یہ بات توجہ طلب ہے کہ میرا تجزیہ تو وہ ہے جو میں ہمیشہ سے کرتا رہا ہوں اور وہ آپ کے سامنے آتا رہا ہے۔ یعنی پاکستان کا باپ اسلام لیکن ماں جمہوریت ہے۔ یوں سمجھئے کہ یہ میرے ۳۰، ۴۰ برس کے سیاسی غور و فکر کے نتائج کا نچوڑ ہے۔ میں اگرچہ معروف معانی میں سیاست میں نہیں ہوں لیکن میں سیاست کا طالب علم ہوں، مبصر ہوں۔ میرے نزدیک پاکستان کا باپ اسلام ہے۔ جیسے حضرت سلمان فارسیؓ سے جب پوچھا جاتا تھا کہ ان کا نام کیا ہے؟ تو وہ کہتے "سلمان"۔ جب پوچھا جاتا "سلمان ابن؟" اس لئے کہ عربوں کے نزدیک تو نام مکمل نہیں ہوتا جب تک کہ باپ کا نام نہ آئے۔ تو وہ جواب میں کہتے تھے "سلمان بن اسلام"۔ تو پاکستان ابن اسلام ہے، لیکن ماں اس کی جمہوریت ہے۔ وقتی طور پر چاہے کسی آمر کی آمریت کچھ عرصے کے لئے چل جائے، لیکن اس کے اندر جمہوریت کی دبی ہوئی آگ کہیں نہ کہیں ضرور بھڑکے گی اور وہ کوئی نتائج لازماً پیدا کرے گی۔

ان دونوں حوالوں سے میں جو نتائج اخذ کر رہا ہوں اس میں پہلی بات تو یہ ہے کہ اس ملک میں پارلیمان کے نام پر بدترین ذاتی آمریت کا جو امکان پیدا کیا جا رہا ہے اس کے لئے ہر سوچنے سمجھنے والے آدمی کو تیار ہونا چاہئے کہ وہ ہر ممکن سطح پر اس کے خلاف آواز اٹھائے اور اسے روکنے کے لئے جو ذریعہ بھی ممکن ہو استعمال کرے۔ اس لئے کہ یہ

بیماری "Nip the evil in the bud" کے درجے میں ختم ہو جائے تو بہتر ہے ورنہ بہت خطرناک ہو جائے گی۔

دوسری بات جو بالکل واضح ہو کر آگئی ہے وہ یہ ہے کہ دستورِ پاکستان کے بارے میں یہ بات میں بہت کھل کر اور بار بار کہہ چکا ہوں کہ یہ منافقت کی پوٹ ہے۔ اس میں ایک طرف سے پورا اسلام داخل کیا گیا اور دوسری طرف سے پورے کا پورا نکال لیا گیا ہے اور اسی کا نام منافقت ہے۔ منافق "ذُوالْوَجْهَین" ہوتا ہے جس کے بارے میں قرآن حکیم "لَاۤ اِلٰی هٰۤؤُلَاۤءِ وَلَاۤ اِلٰی هٰۤؤُلَاۤءِ" کے الفاظ آئے ہیں۔ یہی حال ہمارے دستور کا ہے کہ نہ سیکولر ہے نہ اسلامی۔ اسلامی دستور کا نام لیجئے تو دفعات دکھا دی جائیں گی کہ اس میں قراردادِ مقاصد ہے، دفعہ ۲۲۷ ہے، فلاں ہے، فیڈرل شریعت کورٹ ہے، جبکہ ذرا گہرائی میں جا کر دیکھئے تو کچھ بھی نہیں۔ ہرچند کہیں کہ ہے، نہیں ہے ؎

ہستی کے مت فریب میں آ جائیو اسد
عالم تمام حلقۂ دامِ خیال ہے!

اس کے علاوہ یہ ہر اعتبار سے نہایت نامعقول، غیر منطقی اور نہایت بھونڈا دستور ہے جس کو درست کرنے کی اب اولین کوشش کرنی چاہئے۔

میاں نواز شریف اور انکے ساتھیوں کیلئے چند نصائح اور مشورے

اس ضمن میں ہمارا کام یہ ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کو پیش نظر رکھیں کہ "اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَةُ"۔ یعنی دین تو نام ہے نصیحت کا، خیر خواہی کا، بھلائی کا۔ پوچھا گیا "لِمَنْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ؟" (اے اللہ کے رسول! کس کے لئے نصیحت اور خیر خواہی؟) تو آپ ؐ نے فرمایا: "لِلّٰہِ وَلِکِتَابِہٖ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِاَئِمَّةِ الْمُسْلِمِیْنَ وَعَامَّتِہِمْ" یعنی اللہ کے ساتھ، اس کی کتاب کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ وفاداری، اخلاص، خلوص اور مسلمانوں کے اماموں کے ساتھ خیر خواہی، اور عوام کے ساتھ بھی خیر خواہی۔ یہاں ائمہ کو عوام سے مقدم کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ ان کے ہاتھ میں اختیارات ہوتے ہیں، خواہ کسی کو پسند ہو یا ناپسند ہو۔ ان اختیارات کا اگر صحیح استعمال ہو

جائے تو پورے ملک اور پوری قوم کا بھلا ہو جائے گا اور ذرا غلط استعمال ہو جائیں تو سب کی تباہی آ جائے گی۔ اس موقع پر مجھے ایک بڑا پیارا شعر یاد آیا ہے کہ ؎

رنگِ گل کا ہے سلیقہ' نہ بہاروں کا شعور
ہائے کن ہاتھوں میں تقدیرِ حنا ٹھہری ہے!

ہمارے ملک و قوم کی تقدیر کبھی بے نظیر اور زرداری کے ہاتھ میں ہوتی ہے اور کبھی شریف برادران کے ہاتھ میں۔ اب اختیارات بالفعل (defacto) جن ہاتھوں میں ہیں ہمیں انہیں قبول کئے بغیر چارہ ہی نہیں۔ لیکن اگر ان سے خیر کی بات کہی جا سکتی ہو تو وہ ضرور کہنی چاہئے' یہ دیکھے بغیر کہ انہیں پسند آئے گی یا نہیں۔ صرف یہ دیکھنا ہو گا کہ بات صحیح ہو' اس پر اپنا دل مطمئن ہو اور اس کے بارے میں اللہ کے سامنے کھڑے ہو کر جواب دہی کا احساس ہو' یہ سمجھتے ہوئے کہ ؎

یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصۂ محشر میں ہے
پیش کر غافل اگر کوئی عمل دفتر میں ہے

ہمارے لئے تو ہر لمحہ محشر کا ہے۔ تو بات کہی جائے تو صحیح اور سچی' نہ کسی کے حلیف ہو کر نہ کسی کے حریف ہو کر' نہ کسی کے مخالف ہو کر نہ کسی کے ایجنٹ بن کر (معاذ اللہ) اللہ ہمیں اس سے بچائے۔ اب میں وہ نصیحتیں پیش کرتا ہوں جو میرے پیش نظر ہیں :

(۱) اولین اور اہم ترین بات تو یہی ہے کہ اس ملک کا قبلہ درست کریں۔ یہ بات میں بتکرار و اعادہ کہہ رہا ہوں کہ دستور میں سے منافقت کی جڑ کو نکالا جائے اور دستور کو اسلامی بنایا جائے۔ اس ضمن میں ہم نے سارا کام کر دیا تھا اور "ندائے خلافت" کی ایک خصوصی اشاعت اس پر شائع کی تھی۔ خود جنرل عبدالمجید ملک صاحب نے کہا کہ انہوں نے تو سارا کام کر دیا ہے۔ اس اشاعت کی حیثیت ایک دستاویز کی ہے جس میں وہ ۲۲ نکات بھی موجود ہیں جو مختلف مکاتب فکر کے ۳۱ علماء نے متفقہ طور پر پیش کئے تھے۔ مزید برآں یہ وضاحتیں بھی موجود ہیں کہ قرارداد مقاصد کیا ہے' دستور میں کیا کیا خباثتیں کہاں کہاں بھری ہوئی ہیں' کہاں کہاں چور دروازے رکھے گئے ہیں اور اب انہیں کس طریقے سے بند کیا جا سکتا ہے۔ میرے نزدیک یہ پرچہ اس ملک کے ہر باشعور شہری تک پہنچنا چاہئے۔ تو

کرنے کا پہلا کام تو یہی ہے۔ پاکستان آکر دو تین دنوں میں جو اخبارات دیکھے ہیں تو اس ضمن میں مجھے خوشی ہوئی ہے کہ اس ملک میں کم سے کم ایک آدمی تو اور ہے جس نے کہا ہے کہ "یہ بحران اس وقت تک آتے رہیں گے جب تک اسلام نافذ نہ کیا جائے"۔ یہ بات مولانا شاہ احمد نورانی صاحب نے کہی ہے۔ اس پر مجھے جتنی خوشی ہوئی اس سے کہیں زیادہ صدمہ مجھے اس پر ہوا ہے کہ جماعت اسلامی' جو اس ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کی علمبردار رہی ہے اس کے امیر قاضی حسین احمد صاحب کو یہ بات کہنے کی بھی توفیق نصیب نہیں ہوئی۔ واقعہ یہ ہے کہ حالیہ سیاسی بحران میں قاضی صاحب کا کردار نہایت مضحکہ خیز رہا ہے' اور میرے نزدیک یہ انتہائی افسوسناک صورتحال ہے۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم کی جماعت اور تحریک کی باگ ڈور آج جن ہاتھوں میں پہنچ چکی ہے اس پر بھی یہی شعر صادق آتا ہے کہ ؎

رنگِ گل کا ہے سلیقہ' نہ بہاروں کا شعور
ہائے کن ہاتھوں میں تقدیرِ حنا ٹھہری ہے!

قاضی حسین احمد اور ان کے حواریوں کو ذرا سوچنا چاہئے کہ وہ کونسا ماضی ہے' کونسی عزتیں اور عظمتیں ہیں کہ جن کی حرمت کے پردے وہ چاک کر رہے ہیں۔ {۱}

بہرحال پہلی بات یہی ہے کہ دستور میں سے منافقت کو ختم کیا جائے۔ یہ اولین بات ہے' باقی ساری باتیں اس کے تابع ہیں۔

(۲) ملک میں صدارتی نظام نافذ کیا جائے۔ میں یہ بات بڑے عرصے سے کہہ رہا ہوں کہ پارلیمانی نظام نہایت غیر منطقی ہے اور اسے ہم نے صرف انگریز پرستی کی وجہ سے جاری رکھا ہوا ہے۔ یہ انگریزوں کی روایت ہے جسے ہم نبھا رہے ہیں۔ اب اگر اعجاز الحق صاحب بھی یہ بات کہہ رہے ہیں کہ تو ٹھیک کہہ رہے ہیں اب تو صدر کی کوئی حیثیت ہی نہیں رہی' لہٰذا صدر کا عہدہ ہی ختم کر دینا چاہئے۔ میرے نزدیک یہ ریاستی سطح پر اختیارات کا "شرک" ہے کہ ایک سربراہ ریاست ہے اور ایک سربراہ حکومت۔ اب ذرا ان کے اختیارات میں توازن پیدا کر کے دکھایئے۔ توازن کیسے ممکن ہے؟ یا ایک تابع ہو گا یا دوسرا تابع ہو گا' دونوں برابر تو نہیں ہو سکتے۔ پھر اس سے بڑی حماقت اور کیا ہو گی

کہ دو سربراہوں کو رکھ لینا۔ پھر حماقت در حماقت یہ کہ ہماری تمام افواج کا سپریم کمانڈر تو صدر ہے' لیکن کمانڈر انچیف صاحب ڈیفنس سیکرٹری کے تابع ہیں اور ڈیفنس سیکرٹری ڈیفنس منسٹر کے تابع ہے' اور اگر ڈیفنس منسٹر علیحدہ ہو تو وہ وزیر اعظم کے تابع ہے۔ اب اگر کوئی جھگڑا کھڑا ہو جائے تو کیا ہو گا؟ آرمی چیف اس کا حکم مانے گا یا اس کا؟ یہی تو میں کہہ رہا تھا کہ اگر ایوان صدر پر حملہ ہو جاتا اور صدر کی حمایت میں فوج آ جاتی تو فوج اور پولیس کا جھگڑا ہوتا۔ اگر صدر صاحب اڑے رہتے اور استعفاء نہ دیتے تو یہ بعید از امکان نہیں تھا۔ پھر انقلاب فرانس کا نقشہ آتا یا پھر فوج آپس میں لڑتی۔ مجھے اکبر الہ آبادی کا ایک شعر یاد آ رہا ہے ؎

ہوئی ہستی جہاں محدود ' لاکھوں پیچ پڑتے ہیں
عقیدے' عقل' فطرت سب کے سب آپس میں لڑتے ہیں

اس شعر میں تین چیزوں کا تذکرہ ہے' عقیدہ' عقل اور فطرت۔ اور ہمارے ہاں بھی تین ہی قوتیں ہیں' جن میں باہم تصادم کا امکان تھا۔ یعنی فوج' وزیر اعظم اور صدر۔ صدر اور عدلیہ چونکہ ایک ہو چکے تھے لہٰذا وہی تنگڈم برقرار تھی۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے اس سے بچایا ہے۔ اب یہ ہونا چاہئے کہ دستور میں موجود اسلامیت کو محض برقرار رکھنے کی بجائے اسے بھرپور طور پر مکمل کرنے کے بعد دوسرا کام یہ کیا جائے کہ اس ملک میں حقیقی صدارتی نظام نافذ کیا جائے' جس میں قوم کے افراد براہ راست صدر کو منتخب کر سکیں۔ واضح رہے کہ میری مراد صدر ایوب والا صدارتی نظام قطعاً نہیں ہے۔

(۳) تیسری بات یہ کہ موجودہ صوبوں کو تقسیم کر کے چھوٹے صوبے بنائے جائیں اور پورے ملک میں کم از کم بارہ صوبے بنا دیئے جائیں۔ تقریباً ایک کروڑ کی آبادی کا ایک صوبہ ہونا چاہئے۔ اس سے صوبائی عصبیت کی لعنت کو ختم کیا جا سکتا ہے۔ موجودہ صوبائی تقسیم انگریزوں کی بنائی ہوئی ہے اور انگریز سے پہلے ان صوبوں کا وجود نہیں تھا۔ ہمارے ہاں جو چیزیں انگریز پرستی کا مظہر ہیں ان میں سے ایک یہ صوبہ پرستی بھی ہے۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ پارلیمانی نظام کا برقرار رکھنا بھی انگریز پرستی کا مظہر ہے۔ اسی طرح کرکٹ کا گیم بھی ہمارے انگریز آقا کی وراثت ہے۔ یہ صوبے بھی انگریز نے ہی بنائے تھے

اور اسی نے ان کے نام رکھے تھے۔ ہمارے ہاں آزاد قبائل اب بھی جوں کے توں آزاد قبائل کہلاتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم تو پھر ابھی محکوم ہی ہیں' آزاد تو وہ ہیں جو وزیرستان وغیرہ میں رہتے ہیں۔ ہمارے ہاں ایسی بہت بڑی بڑی غیر منطقی چیزیں موجود ہیں۔ اب حالات کا تقاضا ہے کہ صوبائی تقسیم از سرنو کی جائے' نئے صوبے وجود میں آئیں' جنہیں زیادہ سے زیادہ صوبائی خود مختاری دی جائے اور ہر صوبے کو اپنا نام رکھنے کی اجازت دی جائے۔ اگر صوبے چھوٹے ہو جائیں گے تو کئی نام بن جائیں گے۔ ٹھیک ہے' کوئی حرج نہیں کہ سب اپنا نیا نام رکھ لیں۔ پنجاب تقسیم ہوتا ہے تو سرائیکی صوبہ بھی بن سکتا ہے' اس میں کیا حرج ہے۔ اگر "پنجابی" کفر نہیں ہے تو "سرائیکی" کیسے کفر ہو گیا۔ بعض چیزیں بالکل دو اور دو چار کی طرح واضح ہوتی ہیں لیکن خواہ مخواہ ہوا بنا دی جاتی ہیں۔

چھوٹے صوبے بنانے اور صوبوں کو زیادہ سے زیادہ خود مختاری دیئے جانے کے ضمن میں ہمارے سامنے دنیا میں ماڈل موجود ہیں' اور دنیا میرے نزدیک اس کے لئے بہترین ماڈل امریکہ ہے۔ وہاں وفاقی سطح پر فیڈرل گورنمنٹ ہے اور ریاستوں کی سطح پر سٹیٹ گورنمنٹ۔ اور ان کے مابین انہوں نے مثالی Relationship اور توازن رکھا ہوا ہے۔ بلکہ اس سے آگے بڑھ کر کاؤنٹی لیول پر میئر (Mayor) اور مقامی تھانیدار تک منتخب ہوتے ہیں۔ دنیا کہاں سے کہاں پہنچ چکی ہے اور یہاں یہ حال ہے کہ اگر کسی کی مرمت کرانی ہو تو وہاں فلاں DSP کو بھیج دو اور اگر کسی کی عزت کا دھیلا کرانا ہو تو فلاں تھانیدار کو تعینات کر دو' جس کے نام سے ہی دہشت ٹپکتی ہو۔ دنیا نے اگر کوئی خیر' کوئی بھلائی سیکھی ہے تو ہمیں تو حکم یہ ہے کہ "الحکمۃ ضالۃ المؤمن فھو احق بھا حیث وجدھا" یعنی حکمت تو مومن کی گمشدہ متاع کی مانند ہے' اسے جہاں بھی پائے وہ اس کا سب سے زیادہ حق دار ہے' لہٰذا جہاں سے بھی ملے اسے مضبوطی کے ساتھ پکڑے۔

(۴) صدر مملکت لازماً سندھ سے ہونا چاہئے۔ بصورتِ دیگر مجھے اندیشہ ہے کہ پاکستان کے شمالی اور جنوبی حصوں میں تقسیم کے لئے ابھی سے بہت بڑے پیمانے پر بیج پڑ

جائے گا۔ اس کے جراثیم بھی اس پورے بحران میں سامنے آئے ہیں۔ سجاد علی شاہ سندھی ہیں، جسٹس جونیجو سندھی ہیں، فوج پنجاب کی کہلاتی ہے، کم سے کم جنرل کرامت صاحب تو پنجاب کے ہیں اور وزیراعظم بھی پنجابی ہیں۔ دوسری طرف صدر لغاری صاحب بلوچ ہیں۔ اگرچہ انہیں پنجابی کہا جاتا ہے اس لئے کہ ان کی جاگیر پنجاب میں شمار ہوتی ہے، لیکن وہ معروف معنوں میں پنجابی نہیں ہیں۔ ان کا باپ بلوچ اور ماں پختون ہے۔ بہرحال میرے نزدیک صدر بھی پنجاب سے لیا گیا تو بہت خطرناک صورتحال پیدا ہو جائے گی۔ اس ضمن میں اگرچہ میری کوئی حیثیت نہیں ہے لیکن ایک رائے دے رہا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت یہ ملک جس جگہ پہنچ چکا ہے اور ہم جس خطرناک صورت حال سے دوچار ہو چکے ہیں اس میں صدر کا منصب کسی خالص غیر سیاسی شخصیت کو دیا جائے اور میرے نزدیک حکیم محمد سعید صاحب اس کے لئے موزوں ترین فرد ہیں۔ اگر ایسا ہو جائے تو اس کے بڑے دوررس اثرات ہوں گے۔ ان کی کوئی سیاسی پارٹی نہیں، کوئی سیاسی امنگیں نہیں، انہوں نے زندگی بھر اپنے تصورات کے مطابق طب اور علم کی خدمت کی ہے۔ سندھ کے اندر ایک بہت بڑا طبقہ مہاجرین کا ہے، اس سے ان کی بھی اشک شوئی ہو گی کہ اس ملک میں ہماری بھی کوئی حیثیت ہے اور اس سے تحریک پاکستان کی یاد بھی تازہ ہو گی۔ اگرچہ واضح رہنا چاہئے کہ یہ میری ذاتی رائے ہے، میں نے نہ تنظیم اسلامی کی شوریٰ میں اس پر کوئی گفتگو کی ہے نہ یہ ہمارا موضوع ہے، لیکن میں اپنی ذاتی حیثیت میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ جس شے میں بھی ملک و قوم کی کوئی خیر، کوئی بھلائی، کوئی اچھائی دیکھوں اسے بیان کروں۔ فرض کیجئے اگر حکیم سعید صاحب منظور نہیں تو پھر بھی کوئی سندھی ضرور ہونا چاہئے، کوئی پرانا سندھی لے آیئے۔ اس لئے کہ آپ مسئلہ سندھ کو نظرانداز نہ کیجئے کہ ع "آگ بجھی ہوئی نہ جان آگ دبی ہوئی سمجھ" ظاہر بات ہے کہ سندھ میں جو صوبائی حکومت بنے گی اس میں تو پرانے سندھیوں کا غلبہ ہی ہو گا۔ صدر کی حیثیت تو اب بس علامتی (Symbolic) ہی ہے۔ کسی نے صحیح کہا ہے کہ اب تو صدر کے پاس اتنے اختیارات بھی نہیں ہیں جتنے ملکہ برطانیہ کے پاس ہیں۔ جب تک آپ مکمل طور پر صدارتی نظام نہیں لاتے اس وقت تک کی صورتحال میں اس کی حیثیت محض علامتی

ہے۔ تو اچھا ہے کہ اس نشست پر ایک ایسا آدمی بیٹھا ہو جو اپنی علمی اور سماجی خدمات کے حوالے سے پہچانا جاتا ہو۔ اور اس حوالے سے میں سمجھتا ہوں کہ حکیم سعید صاحب مناسب ترین رہیں گے۔

(۵) "Last but not the Least" کے درجے میں آخری بات خالص نواز شریف صاحب سے مشورے کے طور پر عرض کرنا چاہتا ہوں جو اس وقت دوراہے پر کھڑے ہیں۔ ان کے سامنے ایک راستہ بھٹو اور ضیاء الحق کا ہے اور ان دونوں کے درمیان جو قدر مشترک ہے اس کے بارے میں آپ حضرات میرے تجزیئے سے بخوبی واقف ہیں۔ میں ان دونوں انسانوں کو اس اعتبار سے خوش قسمت ترین انسان سمجھتا ہوں کہ انہیں تاریخ نے' قدرت نے' اللہ تعالیٰ نے بہترین مواقع عطا کئے' لیکن اس اعتبار سے بدنصیب ترین انسان سمجھتا ہوں کہ وہ بری طرح ناکام ہوئے اور اپنی ذمہ داریاں ادا نہیں کر سکے۔ ذوالفقار علی بھٹو کو تاریخ نے یہ موقع دیا تھا کہ وہ اس ملک سے جاگیرداری کی لعنت کو ختم کر کے پاکستان کا ماؤزے تنگ بن سکتا تھا۔ اگر وہ یہاں سے جاگیرداری کی لعنت صاف کر دیتا تو اس ملک میں کوئی نہیں تھا جو اس کے مقابل آ سکتا۔ جو عوامی مینڈیٹ اسے ملا تھا وہ آج تک کسی کو نہیں ملا۔ بلکہ یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ اس ملک میں عوامی لیڈر پیدا ہی ایک ہوا ہے۔ اور اس کو چاروں صوبوں سے جس وسیع پیمانے پر عوامی حمایت حاصل تھی وہ نواز شریف صاحب کو حاصل نہیں ہے۔ سندھی ہونے کے باوجود اس نے سب سے زیادہ نشستیں پنجاب سے حاصل کیں۔ اسے یہ موقع ملا تھا کہ وہ اس ملک کا ماؤزے تنگ بن سکتا تھا لیکن وہ اپنی جاگیردارانہ کھلڑی سے باہر نہیں آ سکا' لہٰذا محروم اور بدنصیب رہا۔ دوسری طرف ضیاء الحق مرحوم کو اللہ نے موقع دیا تھا کہ وہ عمر بن عبدالعزیزؒ کا مرتبہ حاصل کر سکتا تھا۔ نظام مصطفیٰؐ تحریک نے ملک کے عوام میں جو جوش و خروش پیدا کر دیا تھا وہ قیام پاکستان کی تحریک سے بھی دس گنا زیادہ تھا۔ لیکن اسے اس کی بدبختی' بدنصیبی اور محرومی کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے کہ اس نے گیارہ سال یونہی ضائع کر دیئے۔ نتیجہ کیا نکلا؟ جو بھی ہوا آپ کو معلوم ہے۔

اب تاریخ نے نواز شریف صاحب کو اسی دوراہے پر لا کھڑا کیا ہے کہ وہ عمر بن

عبدالعزیزؒ کا مقام حاصل کر سکتے ہیں۔ اگر ضیاء الحق ناکام ہو گئے تو یہ ان کے سیاسی جانشین اور سیاسی متبنیٰ ہیں۔ ان کی سیاسی وراثت کا بڑا حصہ (Lion's share) انہی کے پاس ہے اور انہیں اب اللہ تعالیٰ نے موقع عطا کیا ہے۔ لیکن اس کے لئے انہیں دو کام کرنے ہوں گے۔ پہلا کام یہ کہ دستور میں موجود تضادات ختم کئے جائیں اور پورے دستور میں جہاں بھی کوئی شے دستور کی دفعہ ۲ الف یعنی قرارداد مقاصد کے منافی ہے اسے یا خارج کر دیا جائے یا صراحت کے ساتھ قرارداد مقاصد کے تابع کیا جائے۔ دفعہ ۲۲۷ اے کو لاکر اس کے ساتھ منتھی کر دیا جائے کہ یہاں کوئی قانون کتاب و سنت کے منافی نہیں بنایا جا سکتا۔ شریعت کورٹ پر جو پابندیاں عائد ہیں وہ ختم کر دی جائیں۔ شریعت کورٹ میں شریعت کے جاننے والے لوگ ہوں اور وہ ہر قسم کے دباؤ سے مکمل طور پر آزاد ہوں۔ اس طرح ہمارے ہاں قانون سازی کی گاڑی اسلام کی پٹڑی پر چلنا شروع ہو جائے گی۔ لوگ شریعت کورٹ میں آکر قوانین کے بارے میں دلائل دیں کہ کیا حلال ہے کیا حرام ہے، کیا صحیح ہے کیا غلط ہے، کیا جائز ہے کیا ناجائز ہے۔ کورٹ ان کا جائزہ لے کر فیصلے کرتی رہے گی، لیکن قانون سازی مقننہ کرے گی۔ قانون سازی میں عدالت کا کردار "منفی" ہوتا ہے۔ وہ صرف یہ طے کر سکتی ہے کہ آپ نے جو قانون بنایا ہے اس کا فلاں حصہ شریعت سے متصادم ہے، لہٰذا اس کی جگہ متبادل قانون سازی کر لیجئے۔ عدلیہ کا کام قانون سازی نہیں ہوتا۔ دستور میں مجوزہ ترامیم کے بارے میں ہم اتمام حجت کر چکے ہیں۔ اس بارے میں اب مزید تاخیر نہیں ہونی چاہئے۔

دوسرا کام، جو اصل میں بہت کڑوی گولی ہے، لیکن اصل ٹیسٹ یہی ہے کہ ان کے خلاف جو پلاٹس کے مقدمات ہیں، جن کی FIR سالہا سال سے کٹی ہوئی ہے، اس ضمن میں اپنے آپ کو احتساب کے لئے پیش کریں۔ نواز شریف صاحب نے احتساب کے لئے جس دور کا تعین کیا تھا اس میں اپنے سابقہ دور کو شامل نہیں کیا۔ اس سے احتساب کا سارا عمل مشکوک ہو کر رہ گیا ہے۔ جہاں تک میرا علم ہے انہوں نے ان پلاٹس کے ذریعے کوئی ذاتی مفاد نہیں اٹھایا تھا بلکہ انہیں سیاسی رشوت کے طور پر استعمال کیا تھا۔ اس لئے کہ ان کے ساتھ یہ جو چمٹے ہوئے لوگ ہیں، انہیں چپکائے رکھنے کے لئے کوئی نہ کوئی گوند تو آخر

چاہئے۔ اور ہمارے ہاں اصول' دیانت و شرافت اور نیکی کا گوند تو عنقا ہو چکا ہے۔ یہاں بھی مجھے اکبر الہ آبادی کا ایک شعر یاد آگیا ؎

چپکوں دنیا سے کس طرح میں
عورت نے کہا کہ گوند ہوں میں!

یعنی انسان کو دنیا سے چپکانے والی شے عورت ہے۔ عورت سے محبت انسان کو دنیا پر فریفتہ کرتی ہے۔ عورت سے اولاد ہوتی ہے' اولاد کی محبت بھی دنیا سے چپک جانے پر مجبور کرتی ہے۔ بہرحال انہوں نے بھی پلاٹس وغیرہ کو گوند کے طور پر استعمال کیا۔ لیکن آج یہ قوم سے معافی مانگیں اور اس سب کی تلافی کردیں' خواہ اس کے لئے انہیں اپنے سارے مل بیچنا پڑیں۔ اس طرح وہ عمر بن عبدالعزیز کا مقام و مرتبہ حاصل کر سکتے ہیں۔ عمر بن عبدالعزیز بڑے خوش باش اور خوش پوشاک انسان تھے۔ وہ آخر اموی شہزادے تھے۔ ان کے لیل و نہار ہمیشہ سے وہ نہیں تھے جو خلافت کے بعد ہوئے ہیں' بلکہ جیسے شہزادے ہوتے ہیں ایسے رہتے تھے۔ بنو امیہ کی حکومت اس وقت دنیا کی طاقتور ترین حکومت تھی اور وہ اس حکومت کے شہزادے تھے۔ لیکن جب ان پر خلافت کی ذمہ داری آگئی تو زندگی میں انقلاب آگیا۔ تب اپنے ہی رشتہ داروں کی جاگیرداریوں کے وثیقے منگوا کر قینچی اٹھا کر کاٹنے شروع کردیئے۔ پھر تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ دیئے میں اگر بیت المال کا تیل جل رہا ہے تو اپنا ذاتی کام کرتے وقت وہ دیا نہیں جلے گا' بلکہ بجھا دیا جائے گا۔ وہ صحابہ کرامؓ میں سے نہیں تھے۔ غور کیجئے کہ کسی کے لئے عمر بن الخطاب بننا ممکن نہیں ہے۔ ابو بکر صدیق' عثمان غنی یا علی مرتضیٰ (رضی اللہ عنہم) بننا ممکن نہیں ہے' لیکن عمر بن عبدالعزیز بنا جا سکتا ہے۔ اس کے لئے تاریخ نے ضیاء الحق کو موقع دیا تھا لیکن یہ ان کی قسمت میں نہیں تھا۔ اب یہ موقع ان کے ہاتھ میں ہے۔ تو بجائے بھٹو اور ضیاء الحق کے نقش قدم پر چلنے کے انہیں اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ انہیں اپنی غلطیوں کا اعتراف کرتے ہوئے قوم سے معافی مانگ لینی چاہئے اور اس کی تلافی کردینی چاہئے۔ ان کا یہ ایک قدم انہیں قعرِ مذلت سے اٹھا کر اوجِ ثریا پر لے جائے گا۔

رسول اللہ ﷺ کی سیرت مبارکہ پر "The Message" کے نام سے جو

انگریزی فلم بنی تھی اس میں ایک سین یہ ہے کہ ابو طالب بستر مرگ پر ہیں۔ اس وقت ایک وفد آتا ہے جس میں ابو جہل اور ابو سفیان بھی ہیں۔ ابو طالب ان سے کہتے ہیں : "میرا بھتیجا تم سے کچھ نہیں مانگ رہا' کوئی بادشاہی نہیں مانگ رہا' ایک لفظ (one word) ہی تو مانگ رہا ہے۔ یعنی لا الٰہ الا اللہ ہی تو مانگ رہا ہے۔ اس پر ابو سفیان کا جواب یہ ہے :

"We can give him thousand words, but the one word that he demands, demolishes all the gods."

یعنی وہ ہم سے ہزار لفظ لے لے' لیکن وہ جو ایک لفظ مانگ رہا ہے اس سے تو ہمارے سارے معبودوں کا خاتمہ ہوتا ہے۔ تو یہ ایک قدم انہیں کہیں سے کہیں پہنچا سکتا ہے ؎

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

چنانچہ اگر یہ دو کام کر لیں تو یہ عمر بن عبدالعزیزؒ کے مقام تک پہنچ سکتے ہیں' ورنہ تاریخ جس رخ پر چل رہی ہے وہ انہیں ہولناک انجام سے دوچار کر سکتی ہے۔ فَاعتَبِرُوا یَا اُولِی الاَبصار ـــــ ع فیصلہ تیرا ترے ہاتھوں میں ہے دل یا شکم! یہ فیکٹریاں' یہ صنعتیں' یا سارا کروفر "شکم" ہی کے زمرے میں آتا ہے۔ ع ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے دیتے ہیں!!

اقول قولی ھذا واستغفر اللہ لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات OO

{۱} جماعت اسلامی اور اس کی قیادت کے سیاسی موقف میں جو اتار چڑھاؤ آتا رہتا ہے وہ سب کے علم میں ہے' جماعت کی اندرونی صورتحال جس درجے مخدوش ہو چکی ہے اس کا کسی قدر اندازہ جماعت کے ایک مخلص دیرینہ کارکن کی تحریروں سے ہو سکتا ہے جو آئندہ کسی اشاعت میں سامنے لائی جائیں گی۔

سلسلۂ تقاریر ——— "منہجِ انقلابِ نبویؐ" ——— خطابِ اوّل

انقلابی جدّوجُہد کے لوازم و مراحل — اور انقلابِ نبویؐ کے پہلے دَو مرحلے : دعوت اور تنظیم

(گزشتہ سے پیوستہ)

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد
(مرتّب : شیخ جمیل الرحمٰن)

اسلامی انقلابی تنظیم کی اساس اور اس کا مزاج

انقلابی جدّوجہد کے مراحل و لوازم میں سے دوسرا مرحلہ انقلابی جماعت کی تشکیل و تنظیم کا ہے۔ یعنی جو لوگ انقلابی دعوت کے اساسی نظریہ کو ذہناً تسلیم کر لیں اور اس دعوت پر لبیک کہتے ہوئے داعی کے گرد جمع ہو جائیں انہیں ایک جماعت کی صورت میں منظم کرنا۔ اس کیلئے قرآن مجید کی تین اصطلاحات ہیں۔ پہلی قرآنی اصطلاح "بُنیانٌ مَرصُوص" ہے' یعنی سیسہ پلائی ہوئی دیوار ——— جب تک یہ کیفیت نہ ہو تنظیم وجود میں نہیں آ سکتی۔ اس کیلئے بنیاد کیا ہے؟ سمع و طاعت! سنو اور اطاعت کرو : "وَاسْمَعُوا وَاَطِیعُوا" (Listen and Obey)۔ یہ دوسری قرآنی اصطلاح ہے۔ اب اس میں تیسرا عنصر شامل کریں تو وہ ہے "اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ" جو لوگ ہم سفر ہیں' ساتھی ہیں' ان کیلئے نہایت مہربان' نہایت نرم' نہایت ہمدرد و دمساز' لیکن کفّار جو مقابل ہیں ان کیلئے نہایت سخت' Uncompromising۔

محسوس ہو جائے کہ ان کے اندر کسی قسم کی لچک کا امکان نہیں ؎

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

تنظیمی اعتبار سے جب تک ایک ایسی مضبوط جماعت موجود نہ ہو انقلاب کا عمل شروع نہیں ہو سکے گا۔

ایسی جماعت کے وجود میں آنے کی اساسات کے ضمن میں نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ مبارکہ میں ہمیں دو چیزیں نظر آتی ہیں ـــــ اصل بنیاد تو یہ ہے کہ حضورؐ نے دعویٰ کیا کہ میں نبی ہوں، رسول ہوں، بالفاظِ قرآنی : "اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا" (اے نبی ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے بشیر اور نذیر بنا کر!) چنانچہ جس نے مان لیا اور جو ایمان لے آیا گویا وہ ہمہ تن، ہمہ وجود مطیع ہو گیا۔ یہ اتنی منطقی بات ہے کہ جب تسلیم کر لیا کہ حضورؐ اللہ کے رسول ہیں اور "وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ" (جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی) تو اس کے بعد کسی مسلمان کا کچھ کہنے اور حضورؐ کے فرمان اور رائے کے مقابلہ میں اپنی رائے دینے کا حق باقی کب رہ گیا۔ اب وہ چون و چرا نہیں کر سکتا۔ دنیا کے کسی اور قائد، کسی اور رہنما اور کسی اور لیڈر کی بات سے اختلاف ممکن ہے، لیکن رسول ﷺ کی کسی بات سے بھی اختلاف ممکن نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہاں تو یہ بات تسلیم کر لی گئی کہ آپؐ کے پاس علم کا وہ ذریعہ ہے جو ہمارے پاس نہیں ہے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے اپنے والد سے فرمایا تھا : ﴿يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْٓ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا۝﴾ "ابا جان! میرے پاس وہ علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا تھا، پس میری پیروی کیجئے، میں آپ کو بتاؤں گا سیدھا راستہ کونسا ہے" ـــــ بظاہر یہ الٹی گنگا بہہ رہی ہے کہ بیٹا باپ سے یہ کہے۔ لیکن دلیل یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو وحی الٰہی کے ذریعے سے علم حقائق حاصل ہو رہا ہے جو باپ کو حاصل نہیں ہے۔ باقی رہا تجرباتی علم، وہ والد کو زیادہ ہو تو ہو۔

رسول اور اُمتی کے تعلق کی تفہیم کے لئے اس مجلس مشاورت کی روداد بڑی

تابناک مثال ہے جو حضور ﷺ نے غزوۂ بدر سے پہلے مہاجرین و انصار (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کی منعقد فرمائی تھی۔ اس موقع پر حضرت سعد بن عبادہ انصاری (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) رئیسِ خزرج نے اس تعلق کے لبِّ لباب کو چند جملوں میں بیان کر دیا تھا۔ انہوں نے عرض کیا تھا: "اِنَّا آمَنَّا بِکَ وَصَدَّقْنَاکَ...." یعنی حضورؐ آپ ہم سے کیا پوچھتے ہیں! آپؐ بھول جایئے کہ بیعتِ عقبہ ثانیہ میں کیا طے ہوا تھا اور کیا نہیں۔ ہم آپؐ پر ایمان لا چکے، ہم آپؐ کی تصدیق کر چکے، ہم آپ کو اللہ کا رسول تسلیم کر چکے، اب ہمارے پاس کون سا اختیار باقی رہ گیا۔ اللہ کی قسم، آپؐ ہمیں حکم دیں گے تو ہم اپنی سواریاں سمندر میں ڈال دیں گے۔ اگر آپؐ حکم دیں گے تو ہم برک الغماد تک جا پہنچیں گے چاہے ہماری اونٹنیاں دبلی اور لاغر ہو جائیں یا ختم ہو جائیں۔

اس تنظیم کے متعلق یوں سمجھئے کہ دنیا میں اس سے زیادہ مضبوط تنظیم کا آپ تصور کر ہی نہیں سکتے۔ اس لئے کہ معاملہ ہے رسول اور اُمتی کا۔ لیکن چونکہ یہ کام آگے بھی ہونا تھا، اب تا قیامِ قیامت کسی نبی اور رسول کو نہیں آنا تھا، سوائے جھوٹے مدّعیوں کے۔ "ثَلَاثُوْنَ کَذَّابُوْنَ" اور دجّال کا معاملہ علیحدہ رکھئے۔ سچا نبی تو حضورؐ کے بعد آنا نہیں، حضورؐ کا ارشاد ہے: "لَا نَبِیَّ بَعْدِی" ـــــ تو آئندہ یہ تنظیم کس بنیاد پر ہوگی! اس کے لئے نبی اکرم ﷺ نے امت کی رہنمائی کے لئے بیعت کی سُنّت جاری فرما دی۔ یعنی حضور ﷺ کے بعد اعلاءِ کلمۃ اللہ، اقامتِ دین اور اظہار دین الحق علی الدین کلّہٖ کے لئے جو تنظیم بنے وہ بیعتِ سمع و طاعت کے اصول پر بنے۔

البتہ انتظامی امور کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بڑے ادب و احترام کے ساتھ دریافت کر لیا کرتے تھے کہ آپؐ نے یہ جو تدبیر فرمائی ہے تو یہ آپؐ کا ذاتی اجتہاد ہے یا بذریعہ وحی اللہ کے حکم سے فرمائی ہے؟ اگر حضورؐ فرماتے کہ یہ فعل وحی کی بنیاد پر نہیں ہے بلکہ ذاتی اجتہاد پر مبنی ہے، تب تو وہ اپنی رائے دینے کی جرأت کرتے تھے کہ حضورؐ! پھر اپنے تجربے اور فہم کی بنیاد پر ہم عرض کریں گے کہ فلاں معاملے کی تدبیر اس طرح کی جائے تو مناسب ہوگا ـــــ اس کی متعدد مثالیں سیرتِ مطہرہ میں موجود ہیں۔ مثلاً غزوۂ بدر کے لئے حضورؐ نے مسلمانوں کے کیمپ کے لئے جو مقام معین فرمایا تھا اس کے بارے

میں صحابہؓ نے بڑی لجاجت سے عرض کیا تھا کہ حضورؐ اگر یہ انتخاب وحی کی بنیاد پر ہے تو سر تسلیم خم ہے، لیکن اگر یہ اجتہاد کا معاملہ ہے تو ہم عرض کریں گے کہ جنگ کی حکمت عملی (War Strategy) کے اعتبار سے یہ جگہ مناسب نہیں ہے بلکہ فلاں جگہ مناسب ہے۔ تو حضورؐ نے وہاں کیمپ لگوا دیا ـــــ یہی معاملہ غزوۂ احزاب کے موقع پر ہوا تھا۔ اس موقع پر تین اطراف سے مدینہ منورہ کی چھوٹی سی بستی پر کفار نے یورش کی تھی۔ جنوب سے قریش آ گئے، شمال سے یہودی آ گئے اور مشرق سے بنو غطفان کے قبائل آ گئے۔ حضورؐ کو بڑا دکھ تھا کہ میری وجہ سے آج مدینہ کی بستی گھیراؤ میں آ رہی ہے۔ اہل مدینہ نے مجھے اور میرے صحابہؓ کو اپنے یہاں پناہ دی اور میرا ساتھ دیا جس کی وجہ سے ان پر یہ قیامت ٹوٹ پڑنے والی ہے۔ تو انصارؓ پر نرمی کے خیال سے حضورؐ نے یہ تجویز پیش فرمائی کہ اگر آپ لوگ چاہیں تو بنو غطفان کے ساتھ ہم یہ معاملہ کر لیں کہ مدینہ کی پیداوار کا کوئی حصہ ان کو بطور خراج دینے کی پیش کش کریں، اور وہ اگر واپس چلے جائیں تو ہم پھر ان دو دشمنوں سے نمٹ لیں گے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپؐ نے انصارؓ کے حوصلہ کی پختگی (Morale) کا جائزہ لینے کے لئے یہ بات بطور تجویز پیش فرمائی ہو۔ واللہ اعلم! اس پر انصارؓ نے عرض کیا: حضورؐ! اگر یہ تجویز وحی کی بنیاد پر ہے تو سر تسلیم خم ہے۔ لیکن اگر ایسا نہیں ہے تو ہم عرض کریں گے کہ یہ قبائل ہم سے کبھی جاہلیت میں بھی خراج نہ لے سکے، آج ہم اسلام میں آ کر ان کو خراج دیں! ایسا نہیں ہو سکتا ـــــ حضورؐ نے انہیں شاباش دی۔

حقیقت یہ ہے کہ نبی کے ساتھ اُمتی کا تعلق یہ ہوتا ہے کہ جہاں حکم آ جائے اور ساتھ ساتھ یہ صراحت ہو کہ یہ اللہ کا حکم ہے تو اس کے بعد سر تسلیم خم کرنے کے سوا چارہ نہیں۔ لیکن اگر کسی معاملہ میں مشورہ کی گنجائش ہو تو مشورہ دیا جائے۔ حضور ﷺ کو حکم ہوا: ﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾ "اے نبی آپ ان سے مشورہ کرتے رہا کریں"۔ ﴿فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ﴾ "لیکن جب آپ فیصلہ کر لیں تو پھر اللہ پر توکل کریں"۔ وہاں گنتی کی بنیاد پر کبھی فیصلے نہیں ہوئے۔ کئی بار ایسا ہوا ہے کہ حضورؐ نے اپنی ذاتی رائے کے مقابلے میں صحابہ کرامؓ کی رائے قبول فرمائی۔ رسول اور امتی کا تعلق ہی

وہ ہے کہ اس سے زیادہ مضبوط اور Disciplined جماعت کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ سوچنے کا مقام ہے اگر یہ کام صرف حضورؐ کے دست مبارک سے ہونا ہوتا تو تنظیم کے لئے کسی دوسری بنیاد اور اساس کو واضح کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ لیکن اگر یہ ایک جاری و ساری عمل ہے' اسے آگے بھی چلنا ہے' جیسے اس وقت ہمارے سامنے مسئلہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں یہ ارادہ عطا فرمادے کہ ہمیں خالص اسی نہج پر انقلاب برپا کرنا ہے جس پر حضورؐ نے برپا فرمایا تھا' تو پھر سوال یہ ہے کہ حضورؐ کے بعد نبی تو کوئی نہیں' تو پھر کس بنیاد پر لوگ جڑ کر ایک تنظیم بنیں گے؟ وہ تعلق کس اساس پر قائم ہو گا؟ آیا وہ کوئی جمہوری تنظیم ہو گی! دستوری تنظیم ہو گی! گنتی کی اساس پر فیصلے ہوا کریں گے!! کیا ہو گا؟ اس کے لئے حضورؐ نے یہ طریق کار اختیار فرما کر جسے ہم لفظ بیعت کے نام سے جانتے ہیں اپنے اسوۂ حسنہ سے ہمیشہ ہمیش کے لئے راہنمائی چھوڑی ہے۔ یعنی اللہ کا کوئی بندہ کھڑا ہو ـــــ ظاہر ہے وہ نبی نہیں ہو گا' وہ رسول نہیں ہو گا ـــــ لیکن وہ اللہ کی توفیق سے کھڑا ہو اور پکارے کہ میں اسلامی انقلاب کی طرف پیش قدمی کرنا چاہتا ہوں' کون ہے جو میرا ساتھ دے! مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہِ! ـــــ لوگ اسے ٹھونک بجا کر دیکھیں' جائزہ لیں' اس کی سیرت و کردار کو پرکھیں' اس کی پوری تاریخ کو دیکھیں۔ اپنی حد تک اطمینان کی کوشش کریں کہ یہ شخص بہروپیا تو نہیں' واقعتاً کوئی کام کرنا چاہتا ہے' اور اس کی زندگی میں کوئی ایسی بات بھی نہیں ہے جو اس کام سے متضاد اور متناقض ہو جس کا بیڑا اٹھا کر یہ کھڑا ہوا ہے' فی الجملہ اس کے فکر اور اس کے خلوص پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا اس صورت میں اس کے ہاتھ میں ہاتھ دیں ـــــ یہ ہے بیعتِ سمع و طاعت۔ جس کے لئے جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے تفصیلی ہدایات چھوڑی ہیں۔ حضورؐ نے کئی مواقع پر بیعت لی تھی۔ دو مواقع کا تو ابھی ذکر ہوا' بیعتِ عقبہ اولیٰ اور بیعتِ عقبہ ثانیہ ـــــ ایک بیعت وہ ہے جس کا تذکرہ ابد الاباد تک ہوتا رہے گا' جب تک کہ قرآن حکیم کی تلاوت ہوتی رہے گی۔ وہ ہے بیعتِ رضوان' جس کا ذکر قرآن حکیم میں بایں الفاظ ہوا :

﴿لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ﴾

ـــــ غور کیجئے کہ اس موقع پر اگر حضورؐ جنگ کا فیصلہ فرماتے تو کیا ان چودہ سو اصحابِ

رسول اللہ ﷺ میں سے کوئی ایک بھی پیچھے ہٹ سکتا تھا جو مدینہ منورہ سے چل کر حدیبیہ تک گئے تھے؟ ـــــ پھر حضورؐ نے بیعت کیوں لی؟ صرف اس لئے کہ اصل میں یہ بعد والوں کے لئے سنّت اور اسوہ ہے جو نبی اکرم ﷺ نے چھوڑا ہے۔

پس یہ بنیاد ہے تنظیم کی جو ہمیں سُنّتِ نبویؐ سے ملتی ہے۔ اور اس تنظیم میں ہر قسم کے نسلی اور قبائلی امتیازات کا نام و نشان مٹ جاتا ہے۔ اب یہ نہیں ہے کہ کوئی قرشی ہے تو اس کا اونچا مقام ہے اور اگر کوئی حبشی ہے تو اس کا نیچا مقام ہے۔ یہ تقسیم تو جاہلیت کی تقسیم ہے' یہ اسلام کی تقسیم نہیں ہے۔ سہیل بن عمرو وہ صاحب ہیں جو حدیبیہ میں قریش کے نمائندے کی حیثیت سے صلح کی شرائط طے کرنے آئے تھے۔ قریش میں ان کا کتنا اونچا مقام ہو گا کہ وہ صلح کی شرائط کی گفت و شنید کے لئے قریش کی طرف سے بااختیار نمائندہ بن کر آئے تھے۔ وہ بڑے ذہین تھے۔ جب نبی اکرم ﷺ نے صلح نامہ تحریر کرانا شروع کیا کہ "یہ معاہدہ ہے محمد رسول اللہ اور قریش کے مابین" تو انہوں نے فوراً اعتراض کر دیا کہ نہیں' یہاں "محمد رسول اللہ" کے الفاظ نہیں آئیں گے۔ اس لئے کہ اگر وہ حضورؐ کو "رسول اللہ" مان لیتے تو سارا جھگڑا ہی ختم ہو جاتا۔ نیچے دستخط تو دونوں فریقوں کے ہونے تھے۔ سہیل بن عمرو نے کہا کہ یہ لکھا جائے گا کہ "یہ معاہدہ ہے محمد بن عبداللہ اور قریش کے مابین" ـــــ حضورؐ مسکرائے کہ کوئی مانے نہ مانے میں اللہ کا رسول ہوں۔ لیکن آپؐ نے اس اعتراض کو تسلیم فرمالیا۔ یہ ہیں سہیل بن عمرو۔ فتح مکہ کے بعد وہ بھی ایمان لے آئے تھے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت کا ایک واقعہ ہے کہ قریش کے یہ چوٹی کے فرد سہیل بن عمروؓ فاروق اعظمؓ کی مجلس میں حاضر ہوئے۔ آنجنابؓ نے ان کو اپنے پاس بٹھالیا۔ ان کے بعد چند اور اصحابؓ آ گئے جو السابقون الاولون میں سے تھے' یا اصحابِ بدر واحد میں سے تھے' یا اصحابِ بیعتِ رضوان یعنی اصحابِ شجرہ میں سے تھے تو آپؓ نے حضرت سہیلؓ کو کچھ پیچھے ہٹ جانے کے لئے فرمایا اور ان حضراتؓ کو اپنے ساتھ بٹھالیا۔ پھر چند اور اصحاب آ گئے تو ان کو اور پیچھے ہٹایا اور ان حضرات کو قریب بٹھایا۔ لوگ آتے رہے اور حضرت عمرؓ سہیلؓ کو پیچھے ہٹاتے رہے۔ ہوتے ہوتے سہیلؓ

جوتیوں تک پہنچ گئے۔ تب ان کی قرشیت کی حمیت ذرا جاگی اور انہوں نے شکوہ کیا کہ کیا آپؓ کی مجلس میں ہمارا مقام یہ جوتیوں والا رہ گیا ہے؟ حضرت عمرؓ نے زبان سے کوئی جواب نہیں دیا' اشارہ کر دیا کہ سرحدوں پر کفّار سے جنگیں ہو رہی ہیں ـــــ تم نے وہ تمام مواقع کھو دیئے جو اسلام میں آگے آنے کے مواقع تھے۔ تاہم اب بھی موقع ہے' وہاں سرحدوں پر جاؤ اور اسلام کے لئے قربانیاں دو' سرفروشیاں کرو' تب تو شاید تمہیں یہ مقام حاصل ہو جائے' لیکن نسلی اور قبائلی بنیاد پر جو مراتب تھے' وہ ختم ہو چکے۔ چنانچہ کسی جماعت میں اگر اس نسلی امتیاز کا خاتمہ نہ ہو تو وہ انقلابی جماعت نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ بلالِ حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس مقام تک پہنچ گئے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ انہیں ہمیشہ "سیّدنا بلال" (ہمارے آقا بلال) کہا کرتے تھے۔ عمرؓ! ـــــ اور وہ حضور ﷺ کے سوا کسی اور کو "سیّدنا" کہہ دیں! ان کے مزاج اور ان کے مقام سے کون واقف نہیں۔ انؓ کی شخصیت کا ایک اپنا رنگ تھا۔ ہر شخص کی اپنی افتادِ طبع ہوتی ہے' چنانچہ حضرت عمرؓ کی اپنی طبیعت کا ایک خاص انداز تھا۔ لیکن آپؓ حضرت بلالؓ کا نام "سیّدنا" کہے بغیر نہیں لیتے تھے۔ آپؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے لئے بھی کہا کرتے تھے کہ "ابوبکر سَیِّدُنا وأعتقَ سَیِّدَنا" یعنی ابوبکرؓ خود بھی ہمارے سردار ہیں اور انہوں نے ہمارے سردار (بلالؓ) کو آزاد کیا تھا ـــــ اسلام میں آکر اب یہ فرق و تفاوت رونما ہو چکا تھا کہ کہاں وہ حبشی' وہ آزاد کردہ غلام اور کہاں وہ بلند مرتبہ مقام جو انہیں حاصل ہو گیا۔ عرب کے معاشرے میں غلام آزاد ہو کر بھی نیم غلام تو رہتا ہی تھا' اسے "مولیٰ" کہا جاتا تھا اور اسے ایک آزاد شخص کی طرح معاشرے میں برابری کا مقام پھر بھی حاصل نہیں ہوتا تھا۔ اسی امتیاز کو ختم کرنے کے لئے جناب محمدؐ رسول اللہ ﷺ نے یہ عملی سبق دیا تھا کہ جنگِ موتہ میں لشکر کی کمان زیدؓ بن حارثہ کے سپرد فرمائی جو ایک آزاد کردہ غلام تھے' اور ان کی کمان کے تحت جعفر طیارؓ (حضرت علیؓ کے بھائی)' خالدؓ بن ولید' عبداللہؓ بن رواحہ اور نہ معلوم کیسے کیسے جلیل القدر اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم تھے۔ پھر عین مرض وفات میں آپ ﷺ نے جو لشکر شام کی سرحدوں کی طرف بھیجنے کیلئے تیار فرمایا تھا' اس کی کمان انہی زیدؓ کے بیٹے اسامہؓ کو سونپی تھی' جن کی عمر بھی اس وقت

تیئس چوبیس برس کی ہوگی اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر جیسے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کے زیر کمان تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے یہ اس لئے کیا کہ پچھلے نسلی اور قبائلی افتخار کے بُت اگر ابھی ذہنوں میں بیٹھے ہوئے ہوں تو وہ سب پاش پاش ہو جائیں۔ یہ بالکل نیا نظام ہے جو قائم ہوا۔ یہ اس انقلابی پارٹی کے لئے نئے Cadres اور نئی درجہ بندی ہے۔

پھر اس انقلابی جماعت میں سمع و طاعت کا معاملہ کس نوعیت کا تھا! اس کے لئے دو واقعات کافی ہیں۔ پورے مکّی دور میں تمام صحابہ کرامؓ کے لئے حکم یہ رہا کہ چاہے مشرکین تمہیں کتنا ہی ماریں' کتنی ہی ایذائیں دیں' حتیٰ کہ تمہیں ہلاک کر دیں لیکن تم ہاتھ نہ اٹھاؤ۔ اپنی مدافعت میں بھی ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں تھی ـــــ اور تاریخ میں اس کی شہادت موجود نہیں ہے کہ کسی نے حضور ﷺ کے اس حکم کی خلاف ورزی کی ہو۔ یاد رہے کہ قرآن مجید میں ایسا کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ جو بدنصیب لوگ سُنّت کی اہمیت کے قائل نہیں ہیں' ان کے لئے یہ بات خاص طور پر غور کرنے کی ہے کہ مکّی دور میں صحابہ کرامؓ کس حکم پر اس شدّت اور سختی سے عمل پیرا تھے؟ قرآن حکیم میں تو کہیں جا کر ۵ھ یا ۶ھ میں سورۂ نساء میں یہ الفاظ آئے ہیں : ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ...﴾ "(اے نبیؐ) کیا آپؐ نے ان لوگوں کا حال نہیں دیکھا جن کو حکم دیا گیا تھا کہ اپنے ہاتھ بندھے رکھو..." لیکن پورے مکی قرآن میں یہ حکم موجود نہیں ہے۔ دراصل یہ حکم اللہ کا نہیں تھا بلکہ محمدؐ رسول اللہ ﷺ کا تھا۔ اللہ نے سورۂ نساء کے اندر اس کی توثیق فرمائی ہے۔ سورۂ نساء کی اس آیت سے اس بات کی وضاحت ہو گئی ہے کہ اے مسلمانو! ایک دور وہ تھا جب حکم یہ تھا کہ اپنے ہاتھ بندھے رکھو' اس وقت تو تم کہا کرتے تھے کہ ہمیں جنگ کی اجازت ہونی چاہئے۔ اور آج جنگ کا حکم دے دیا گیا ہے تو گھبرا رہے ہو۔ تو قرآن حکیم میں سورۂ نساء کی آیت نمبر ۷۷ میں "كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ" کے الفاظ آئے ہیں ورنہ پوری مکی سورتوں میں کہیں یہ الفاظ نہیں ہیں ـــــ دراصل وہ حکم جناب محمدؐ رسول اللہ ﷺ کا تھا۔ یا یوں کہئے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم حضورؐ کو وحی خفی کے ذریعے سے دیا۔ وحی جلی میں یہ حکم بہرحال موجود نہیں ہے ـــــ کسی جماعت کے اس درجہ منظم ہونے اور اپنے رہنما' قائد اور لیڈر کے حکم کی

پابندی کی ایسی مثال پوری انسانی تاریخ میں آپ کو نہیں ملے گی۔

دوسری مثال اس کے برعکس ہے۔ ایک موقع پر نظم کی عدم پابندی اور حکم عدولی ہوئی۔ وہاں ڈسپلن توڑا گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی جو سزا دی گئی اس سے آپ کو اندازہ ہو گا کہ اس ڈسپلن کا کیا مقام ہے جو مطلوب ہے ـــــ غزوۂ احد میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ اہلِ ایمان کی مدد ہو گی اور واقعتاً نصرتِ الٰہی آئی۔ پہلے ہی مقابلے کے اندر کفار کے قدم اکھڑ گئے اور مسلمانوں نے انہیں گاجر مولی کی طرح کاٹنا شروع کر دیا۔ لیکن اس موقع پر ان تیراندازوں کی غلطی سے میدان جنگ کا نقشہ بدل گیا جو حضورؐ کی طرف سے جبلِ احد کے ایک درے پر معین کئے گئے تھے اور جنہیں حضورؐ نے حکم دیا تھا کہ چاہے ہم سب کے سب شہید ہو جائیں' ہم میں سے کوئی نہ بچے اور تم دیکھو کہ پرندے ہمارے جسموں سے ہمارا گوشت نوچ نوچ کر کھا رہے ہیں تب بھی یہاں سے نہ ہٹنا ـــــ یہ پچاس تیرانداز تھے جن کے کمانڈر حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ درّے پر معیّن ان صحابہ کرامؓ کی اکثریت سے اس موقع پر یہ اجتہادی غلطی ہوئی کہ انہوں نے سمجھا کہ حضورؐ کا حکم شکست کی صورت سے متعلق تھا' جبکہ اب تو برعکس صورت سامنے ہے' فتح ہو گئی ہے اور کفار میدانِ جنگ سے فرار ہو رہے ہیں' لہٰذا اب یہ جگہ چھوڑنے میں کوئی حرج نہیں ہے' اب ہمیں بھی نیچے میدان میں چلنا چاہئے ـــــ لیکن ان کے کمانڈر حضرت جبیرؓ ان کو روکتے رہے کہ حضورؐ کے حکم کو سامنے رکھو' ہمیں کسی حال میں بھی حضورؐ کے حکم کے بغیر یہاں سے نہیں ہٹنا۔ لیکن پچاس میں سے پینتیس افراد نے حکم عدولی کی ـــــ حضور ﷺ کے حکم کی جو نافرمانی ہوئی اس کے متعلق تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس کی یہ تاویل کی گئی کہ حضورؐ نے تو شکست کی صورت میں اس درے کو چھوڑنے سے منع فرمایا تھا' فتح کی حالت کے لئے تو نہیں فرمایا تھا ـــــ لیکن اس دستہ کا جو کمانڈر ہے فیصلے کا اختیار تو اس کے ہاتھ میں ہے۔ فوج میں دستے کے کمانڈر کی بات کو ماننا ڈسپلن کا عین تقاضا ہے بلکہ فرض ہے۔ دستہ کے سپاہیوں کو کسی بالائی حکم کی تاویل کرنے کا قطعی حق نہیں ہے' یہ حق صرف اس کمانڈر کا ہے۔ چنانچہ اس دستہ کے کمانڈر حضرت جبیرؓ تو اپنے دستہ کو روک رہے تھے۔ ان پینتیس افراد نے اپنے کمانڈر کے حکم کی خلاف

ورزی کی اور درہ چھوڑ کر میدان میں جا اترے ـــــ خالد بن ولید جو اُس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے اور جن کا شمار جنگی حکمتِ عملی کے ماہرین میں ہوتا تھا' انہوں نے جب اس درّے کو خالی دیکھا تو گھڑ سواروں کے ایک دستہ کے ساتھ جبلِ احد کے عقب کا چکر لگا کر درے کے دوسرے سرے سے حملہ کر دیا۔ پندرہ صحابہؓ جو وہاں رک گئے تھے' جن میں حضرت جبیرؓ بھی شامل تھے' سب کے سب شہید ہو گئے۔ اب خالد بن ولید نے مسلمانوں پر پشت کی طرف سے حملہ کر دیا۔ فرار ہونے والے کفار نے بھی پلٹ کر ایک زور دار حملہ کیا۔ اس طرح ان پینتیس صحابہؓ کی ڈسپلن کی خلاف ورزی کی وجہ سے فتح شکست سے بدل گئی اور پینتیس مسلمانوں کی حکم عدولی کی سزا ستر صحابہ کرامؓ کی شہادت کی صورت میں سامنے آئی۔ ان میں حمزہؓ "اَسَد اللہ واَسَد رسولہٖ" بھی تھے' جو ہزار افراد کے مقابلہ کا ایک فرد تھا' مصعب بن عمیرؓ جیسی جان نثار شخصیت بھی تھی جن کی تبلیغ و دعوت کو اللہ نے یہ شرف قبولیت عطا فرمایا کہ یثرب دار الہجرت اور مدینۃ النبیؐ بن گیا۔ پھر ان کے علاوہ دوسرے جان نثار انصار و مہاجرین رضی اللہ عنہم نے جامِ شہادت نوش کیا۔ کل ستر صحابہ کرامؓ شہید ہوئے۔ اور تو اور خود حضورؐ کے دندانِ مبارک شہید ہوئے۔ خود کی کڑیاں رخسارِ مبارک میں گڑ گئیں' آپؐ پر غشی طاری ہوئی ـــــ مسلمانوں میں سراسیمگی پھیلی' حضورؐ کی شہادت کی خبر اڑی' بہت سے صحابہ دل گرفتہ اور مایوس ہو کر بیٹھ رہے۔ اہل ایمان کے لشکر میں بھگدڑ بھی مچی ـــــ وہ تو جب حضورؐ کی طبیعت ذرا سنبھلی اور آپؐ صحابہ کرامؓ کو لے کر جبلِ احد پر چڑھ گئے اور لوگوں نے آپؐ کو زندہ سلامت دیکھ لیا تو پراگندہ جمعیت دامن کوہ میں جمع ہوئی ـــــ بہرحال شکست تو ہو گئی۔ اتنا بڑا چرکہ لگ گیا۔

بعد میں سورۂ آل عمران (آیت ۱۵۲) میں اس صورت حال پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان الفاظ میں تبصرہ نازل ہوا : ﴿وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ﴾ ـــــ اے مسلمانو! اللہ کا وعدہ جھوٹا ثابت نہیں ہوا۔ اللہ نے تو اپنا وعدہ پورا کر دیا تھا جب تم اس کی اجازت سے اپنے دشمنوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ

رہے تھے۔ لیکن جب تم ڈھیلے پڑے' تمہارا نظم ٹوٹا اور تم نے جب وہ چیز دیکھی جو تمہیں محبوب ہے اور اس کے بعد تم نے حکم کی خلاف ورزی کی تب ہم نے یہ سزا دی ——— یہاں "تُحِبُّونَ" سے بعض مفسرین نے "مالِ غنیمت" کے بجائے سورۂ صف کی آیت ۱۳ کے الفاظ ﴿وَاُخْرٰی تُحِبُّوْنَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ﴾ سے استشہاد کرتے ہوئے وہ فتح مراد لی ہے جو بالکل ابتدا ہی میں مسلمانوں کو حاصل ہوتی نظر آ رہی تھی ——— البتہ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلامی انقلاب کے لئے کیسی تنظیم مطلوب ہے اور اس میں امیر کی اطاعت کی کیا اہمیت ہے' چاہے وہ پچاس افراد کے دستہ پر ہی کیوں نہ مقرر کیا گیا ہو! (جاری ہے)

بقیہ : امت مسلمہ کی عمر

{۳۲} احمد' مسلم' ترمذی اور ابن ماجہ نے نواس ؓ بن سمعان سے روایت کیا ہے۔

{۳۳} مسلم نے ابو ہریرہ ؓ سے اور حاکم نے بھی روایت کیا ہے۔

{۳۴} صحیح حدیث ہے جسے ترمذی نے عمران بن حصین سے روایت کیا ہے

{۳۵} مسلم اور احمد نے ابن مسعود ؓ سے روایت کیا ہے۔ بخاری کے الفاظ اور ہیں۔

{۳۶} احمد' مسلم' ترمذی اور ابن حبان نے انس ؓ سے روایت کیا ہے۔

{۳۷} احمد' بخاری اور نسائی نے انس ؓ سے روایت کیا ہے۔

{۳۸} احمد اور مسلم نے حذیفہ ؓ بن اسید سے روایت کیا ہے۔

{۳۹} الصور۔ بہت بڑا بگل ہے جس میں اسرافیل ؑ تین دفعہ پھونک ماریں گے۔

{۴۰} بخاری' مسلم اور ابن ماجہ نے ابو ہریرہ ؓ سے روایت کیا ہے۔

{۴۱} رحمان کا عرش اٹھانے والے فرشتے چار ہیں۔ جب قیامت آئے گی ان کے ساتھ چار اور مل جائیں گے' چنانچہ ان کی تعداد آٹھ ہو جائے گی۔

{۴۲} بخاری اور مسلم نے ابو ہریرہ ؓ سے روایت کیا ہے۔ اَبَیْتُ : یعنی مجھے علم نہیں۔ میں جواب نہیں دے سکتا۔

{۴۳} جلالین پر صاوی کا حاشیہ دیکھیں (۳:۳۲۸) اللہ تعالیٰ کے اس قول کے بارے میں "پس وہ زور کی آواز ہو گی جس سے یکایک سب جمع ہو کر ہمارے پاس حاضر کر دیئے جائیں گے"

تنظیم اسلامی کی دعوت

از قلم : مختار حسین فاروقی' امیر تنظیم اسلامی حلقہ جنوبی پنجاب

۱۔ تنظیم سے کیا مراد ہے؟ تنظیم اسلامی کے خدوخال کیا ہیں؟ یہ کس لئے وجود میں آئی ہے؟ اور یہ دوسری جماعتوں اور تنظیموں سے کیسے اور کس حد تک مختلف ہے؟ اس قسم کے کئی اور سوالات بھی ہیں جو آج کسی جماعت یا تنظیم کا نام سنتے ہی ہمارے ذہنوں میں ابھرتے ہیں۔ اس بات کو واضح کرنے کے لئے کچھ باتیں بطور تمہید ضروری ہیں تاکہ تنظیم اسلامی کو صحیح Context اور پس منظر میں دیکھا جا سکے' اور اگر یہ ہماری کوئی حقیقی ضرورت ہے تو پھر ہم میں اس کی طرف پیش قدمی کا ایسا جذبہ بیدار ہو سکے جو منفعت اور کامیابی کے ہر موقع سے بھرپور استفادے کے لئے ہمارے اندر پیدا ہوتا ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ اس اجمال کی تفصیل کیا ہے؟

۲۔ تنظیم اسلامی ایک ہیئت اجتماعیہ ہے جو امت مسلمہ کے بعض باشعور افراد کے مجموعے کا نام ہے۔ ادارے' جماعتیں اور تنظیمیں افراد نسل انسانی کی ایسی بنیادی ضرورت ہیں کہ اس کے لئے کسی طویل مدلل مقدمے کی بجائے تاریخ انسانی کی ایک اٹل اور ناقابل تردید حقیقت کی طرف اشارہ کافی ہے کہ فرد اور جماعت کی تاریخ دراصل انسان کی تاریخ ہی کی طرح قدیم ہے اور ماضی میں کسی ایسے دور کا حوالہ ممکن نہیں ہے کہ کوئی فرد نسل آدم جماعت کے بغیر زندگی گزار رہا ہو' یہاں تک کہ قرآن مجید میں حضرت آدمؑ کی تخلیق کے واقعہ میں بھی سورۂ اعراف میں جمع کے صیغہ میں خطاب کیا گیا ہے اور دوسری جگہ کان الناس امۃً واحدۃً کہہ کر خطاب کیا گیا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ فرد اور جماعت کا تعلق ایسا لاینفک (Inseparable) ہے کہ فرد کا تصور جماعت کے بغیر ممکن نہیں اور جماعت کا تصور افراد کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ جماعت ہر فرد کی ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ آج بھی دنیا میں زندگی کے ہر شعبے اور ہر علاقے میں ہر شخص اس کی

ضرورت واہمیت کا ایسا احساس اور تجربہ رکھتا ہے کہ اس پر دو رائیں ممکن نہیں ہیں۔

۳۔ فرد اور جماعت کے بارے میں ایک اہم بات یہ ہے کہ ہر جماعت فرد کی کسی نہ کسی ضرورت کی تکمیل اور جذبے کی تسکین کے لئے وجود میں آتی ہے اور یوں انسان اپنے فکر و نقطہ نظر' ذاتی رجحانات' ماحول' پیشہ اور دیگر عوامل کے زیر اثر مختلف جماعتوں میں سے کسی نہ کسی کی طرف کھنچا چلا جاتا ہے۔

بعض جماعتیں جو جزوی مقاصد رکھتی ہیں وہ انسان سے جزوقتی توجہات چاہتی ہیں لیکن بعض جماعتیں جو گھمبیر مقاصد اور کثیرالاطراف سرگرمیاں رکھتی ہیں انسان کو پوری طرح اپنے اندر جذب کر لیتی ہیں' اور یوں ایک مقام "فنافی الجماعت" سامنے آتا ہے جہاں فرد کی انفرادیت ختم ہو جاتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ فرد انسانی ذاتی حیثیت میں ایک آزاد' خود مختار اور باشعور مخلوق شمار ہوتا ہے۔ یہ اگر ایک انتہا ہے تو کسی بڑی جماعت میں گم ہو کر یہی اوصاف (کسی اعلیٰ تر جماعتی مقاصد کے لئے) گھٹ کر برائے نام رہ جاتے ہیں۔ تاریخ میں فرد اور جماعت کے تعلق اور دائرہ کار کے بارے میں افراط و تفریط کی بے شمار مثالیں ہیں۔ اس ضمن میں اعتدال اور توازن کا حصول جو دراصل فرد و جماعت دونوں کے لئے آگے بڑھنے کی ضمانت ہے بہت ناپید ہے۔

حقیقتاً ایسی جماعت ہی مقصود ہونی چاہئے جو اپنے افراد کے ذاتی کردار کی تعمیر کر سکے' اس کی صلاحیتوں کو اجاگر کر سکے اور جماعت میں شامل تمام افراد کی ذاتی صلاحیتوں کو ایسے اعلیٰ طریقے (Optimum Path) پر استعمال کر سکے جس سے جماعتی اہداف اور مقاصد کا حصول ممکن اور آسان ہو سکے۔ اس کے لئے ہر فرد کو اپنی جماعت کے مقاصد پر بھی نظر رکھنا ضروری ہے اور طریقہ کار پر بھی۔ اس لئے کہ اس میں ذرا سی غفلت فرد اور جماعت دونوں کے لئے مہلک ثابت ہو سکتی ہے یعنی ع یک لحظہ غافل بودن وصد سالہ راہم دور شد

۴۔ جماعتیں اور تنظیمیں اگر فرد کی کسی ضرورت کی تکمیل' جذبوں کی تسکین اور احساسات کو جلا بخشنے کے لئے وجود میں لائی جاتی ہیں تو اس سے پہلے کہ جماعتوں اور تنظیموں کے مقاصد اور دائرہ کار پر نظر ڈالی جائے مناسب یہی ہے کہ پہلے انسان کی مادی'

نفسیاتی اور دیگر حقیقی ضرورتوں کا جائزہ لیا جائے تاکہ یہ بات نکھر کر سامنے آجائے کہ کونسی جماعت فرد نوع بشر کے لئے کونسی خدمت سرانجام دے رہی ہے۔

دنیا میں حیات (Life) کی کئی شکلیں (Forms) اور مدارج (Stages) ہیں مگر حتمی طور پر انسان اشرف المخلوقات ہے جس پر سائنس بھی قرآن کے ساتھ متفق ہے۔ انسان دو "وجود" رکھتا ہے اور دونوں اعتبارات سے اللہ تعالیٰ نے اسے تمام مخلوقات سے "مکرم" کر کے "احسن تقویم" کے مقام پر رکھا ہے۔ انسان کا ایک وجود مادی اور جسمانی ہے جبکہ دوسرا غیر مرئی اور روحانی ہے۔ لہٰذا انسان کے جسمانی تقاضے بھی ہیں اور روحانی بھی۔

انسان کے جسمانی تقاضوں میں خوراک' لباس' رہائش' علاج' تعلیم اور شادی ہیں' جبکہ نفسیاتی اور روحانی تقاضوں میں تلاش حقیقت' انسان کی حقیقت کا صحیح علم' ذرائع علم کا صحیح ادراک اور انسانی زندگی کی ابتداء اور انتہاء کی کھوج کرید اور سب سے اوپر اپنے خالق و مالک کی معرفت اور اس کی رضاجوئی کی تلاش شامل ہیں۔ ان تقاضوں میں سے ایک یا ایک سے زائد کئی تقاضوں کی فراہمی و آب یاری کے لئے مختلف ادارے' انجمنیں اور جماعتیں وجود میں آتی ہیں۔

مختلف ادارے اور انجمنیں کسی خاص گوشے میں انسانی ضرورت کی تکمیل کرتی ہیں۔ کئی ادارے اور انجمنیں مل کر ایک جماعت کی شکل اختیار کرتے ہیں۔ جماعت (Party) کا کام اداروں اور انجمنوں سے بہت وسیع اور کثیر الجہت ہوتا ہے۔ پھر انہی جماعتوں میں سے جو جماعت مقاصد کے اعتبار سے برتر اور اعلیٰ ہوتی ہے وہ انسانوں کو اس حد تک متاثر کرتی ہے اور اتنی پھیل جاتی ہے کہ ہم خیال و ہم مقصد انسانوں کی ایک کثیر تعداد اس کے زیر اثر آجاتی ہے' تا آنکہ وہ کسی خاص علاقے اور خطے میں حکومت حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہے' تاکہ وہ جماعت اپنے زیر اثر افراد کے لئے اپنے فکر و فلسفہ' دین و مذہب اور پسند و ناپسند کے عین مطابق اجتماعی نظام تشکیل دے جس میں فرد کی تعلیم اور نشو و نما کا ایسا اعلیٰ اور معیاری اہتمام ہو کہ اس نظریہ اجتماعی کا بول بالا ہو جائے اور اس کے اندر مضمر ہر طرح کے خیر و شر کو پھلنے پھولنے کا موقع میسر آجائے۔ ایسی

جماعتیں انسانی تاریخ کی میزان میں اعلیٰ ترین اور موثر ترین اجتماعیت کے ذیل میں شمار کی جاتی ہیں۔ یہ درجہ اب تک کی انسانی تاریخ کی معراج (Climax) ہے۔

فرد ـــــ جماعت ـــــ اور اجتماعیت کے اس سفر میں اب ایک ہی ممکنہ جست (Development) کا امکان باقی ہے جس کی طرف انسان کی دبی ہوئی خواہش اسے صدیوں سے محو سفر رکھے ہوئے ہے اور جس کے لئے انسانیت بے قرار ہے۔ وہ ایک ایسی اجتماعیت یا حکومت کا قیام ہے جو عالمی ہو اور پورے کرۂ ارضی کو محیط ہو۔ صاف ظاہر ہے کہ ایسی اجتماعیت جس جماعت کے ذریعے وجود میں آئے گی پہلے خود اس جماعت کے نظریات ایسے اعلیٰ ہوں گے جو تمام زمینی اور پست علائق سے پاک ہوں گے' پھر اس کے پاس اہداف و مقاصد بھی ایسے پاکیزہ اور مقدس ہوں گے جو کسی خاص علاقے' نسل' زبان' رنگ' پیشے اور انسانی طبقے سے متعلق نہ ہوں' بلکہ اس کی دعوت بلا امتیاز رنگ و نسل و مذہب و جنس پر انسان سے ہو۔ ایسی جماعت کا وجود نوع انسانی کے لئے سب سے بڑی رحمت ہے اور اس کے سابقون الاولون یقیناً زمین کا نمک اور خیر الخلائق کہلانے کے مستحق ہیں۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو تمام انسانوں کی ضروریات ایک جیسی ہی ہیں مگر ہم انسانوں کی کم فہمی' کم علمی اور غلط تربیت کی وجہ سے ہماری باطنی شخصیات صحیح نشو و نما نہیں پا سکتیں جس کی وجہ سے انسان بے شمار گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں جو اپنے طرز فکر' ذہنی سطح' غلط ماحول' غلط تربیت' نامناسب موروثی حالات اور معاشی وسائل کی غیر منصفانہ تقسیم کی وجہ سے نامکمل شخصیات (Incomplete or Retarded Personalities) رہ جاتی ہیں یا مادی اور روحانی تقاضوں کے درمیان کشاکش کا صحیح حل نہ پانے کی وجہ سے منقسم شخصیات (Divided Personalities) بن کر عملاً عضو معطل بن جاتے ہیں جو اجتماعیت کے کسی مفید کام نہیں آ سکتے۔ یا کسی وجہ سے ان کی باطنی شخصیات صحیح راہ نمائی نہ ہونے کی وجہ سے مسخ شدہ (Perverted) رہ جاتی ہیں۔

نتیجتاً عملی اعتبار سے انسانوں کی ضروریات کے بے شمار مدارج (Levels) شمار کئے جا سکتے ہیں۔ کچھ انسان صرف مادی ضروریات ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں اور گزشتہ زمانے

کے اپنے ہم خیال لوگوں کے نظریات کو حق سمجھ کر قبول کر لیتے ہیں اور انہی کے پرچار میں لگ جاتے ہیں۔ ان میں سے بعض جو ذرا آگے بڑھ جاتے ہیں وہ ضمیر انسانی کے زیر اثر کچھ اخلاق و کردار پر متوجہ ہوتے ہیں۔ بعض ذرا اور آگے بڑھ کر مذہب کے میدان میں سرگرم ہو جاتے ہیں۔ اس لئے کہ عملی اعتبار سے مذہب ہی اخلاق و کردار کے لئے مضبوط بنیاد فراہم کرتا ہے۔ کچھ باہمت لوگ مزید پیش رفت کر کے نفسیاتی اور روحانی تقاضوں کی بلندیوں کو چھو لیتے ہیں اور اس طرح انسانیت اور نسل آدم کا "حاصل" کہلانے کے مستحق پاتے ہیں۔

۶۔ نبی اکرم ﷺ کے ایک فرمان میں یوں کہا گیا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی طرف سے تو تمام ناگزیر ذہنی، فکری اور اخلاقی صلاحیتیں لے کر آتا ہے، مگر ماحول کے اثرات اسے عملاً مختلف مذاہب اور نظریات کے تابع بنا دیتے ہیں یا فلسفیانہ اعتبار سے یوں کہا گیا ہے کہ انسان حاصل ضرب ہے موروثی عوامل اور ماحول (تربیت) کے اثرات کا۔ نظری طور پر انسان اس نقطہ نگاہ سے بے شمار درجات پر کھڑے ہیں یا بے شمار دائروں میں منقسم ہیں۔ لہٰذا ـــــ نتیجتاً اتنے ہی بے شمار ادارے، انجمنیں اور جماعتیں ہیں جو ان انسانوں کو اپنے اندر جگہ دیئے ہوئے ہیں۔ کچھ ادارے، انجمنیں اور جماعتیں واضح اور اعلان شدہ (Declared) اور بعض غیر واضح (Undefined) اور غیر اعلان شدہ ہوتی ہیں۔ ان موخر الذکر قسم کی اجتماعیتوں کو ابن خلدون نے عصبیتوں کا نام دیا ہے۔

۷۔ آج پوری دنیا پر مغرب کے مادی تصورات اور نظریات کی یلغار ہے جس سے عملاً انسانوں کی ایک عظیم اکثریت اس دجالی فتنے کے زیر اثر آ چکی ہے۔ اس فتنے میں محسوس اور مادی اشیاء کی اہمیت پر زیادہ زور ہے جبکہ غیر مرئی حقائق (Unseen World) کا اگرچہ نہ اقرار ہے نہ انکار، تاہم عملی اعتبارات سے انکار ہی کے چشمے پھوٹ رہے ہیں اور عالمی سطح پر فساد پھیلا رہے ہیں۔ مادہ (Matter) کی اہمیت زیادہ ہے جبکہ روح (Soul) زیر بحث نہیں۔ کائنات اور موجودہ زندگی (Universe and Life Herein) پر توجہ مرکوز ہے اور نت نئی جہتیں دریافت ہو رہی ہیں جبکہ حیات بعد الممات (Life Hereafter) کا تذکرہ ہی نہیں بلکہ موت تک کا

تذکرہ بھی مناسب نہیں سمجھا جاتا ہے' حالانکہ وہ ایک اٹل حقیقت ہے۔ اور کائنات کے مقابل خالق کائنات کا ذکر تو اکثر لوگوں کے نزدیک اور اکثر حالات میں ہے ہی فضول' جس کا کچھ حاصل نہیں۔

اس دور میں مذہب' اخلاق اور روحانی قدروں کا تذکرہ اور ان کے لئے جدوجہد کرنے والے لوگ نہایت قلیل ہیں۔ مادہ پرستی کے اس دجالی فتنہ کے زیر اثر مسلمانوں کا حال بھی مجموعی طور پر عام انسانوں جیسا ہی ہے۔ اگرچہ مادی ضروریات سے اوپر اٹھ کر اخلاق اور سیرت و کردار کے اعتبار سے انفرادی سطح پر مسلمانوں میں فی ہزار اچھے لوگوں کی تعداد دیگر تمام مذاہب کے مجموعی افراد سے بھی کہیں زیادہ ہے اور ایسے لوگ لاکھوں کی تعداد میں ہوں گے جن کی امانت و دیانت کی قسم کھائی جا سکتی ہے' تاہم ایسے باہمت افراد کی شدید کمی ہے جو ایسی ہیئت اجتماعیہ میں شریک ہوں جو اجتماعیت کی اعلیٰ ترین سطح پر بھی ہو' نیز جو مادی اور روحانی ضرورتوں سے آگاہ بھی ہوں اور اس کے لئے مقدور بھر کوشش بھی کر رہے ہوں تاکہ مذکورہ اجتماعیت دنیا کے کسی خطے میں اللہ کے آخری نبی ﷺ کے لائے ہوئے دین کو غالب کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ آج ایسے افراد بھی ڈھونڈے سے مشکل ہی ملیں گے اور ایسی اجتماعیت بھی جہاں کہیں بھی ہے کسی ابتدائی مرحلے میں ہی ہے۔ خود آگاہی کے اس مقام کے ساتھ ان ذمہ داریوں کی ادائیگی کرنے والے لوگوں کو آج کی اصطلاح میں بنیاد پرست (Fundamentalists) کہا جاتا ہے۔

۸۔ تنظیم اسلامی ایک ایسی ہی جماعت ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے قرآنی نظام سیاست و معیشت و معاشرت کو پہلے ایک خطہ پاکستان میں غالب و نافذ کرنے کے لئے جدوجہد کر رہی ہے جو دوسرے مرحلہ پر تمام کرۂ ارض پر بسنے والے انسانوں کو اپنے اندر سمو لے گا۔ یعنی تنظیم اسلامی قرآن مجید کے بیان کردہ نظام سیاست و معاشرت و معیشت (Politico-Socio-Economic System) کی علمبردار ہے جو ہر قسم کی علاقیت سے پاک اور رنگ و نسل و مذہب و جنس کے امتیازات سے بالاتر ہو کر صرف اللہ کے قانون کو اللہ تعالیٰ کے بندوں پر نافذ کرنے کے لئے کوشاں ہے۔

۹۔ تنظیم اسلامی ـــــ افراد کی تربیت و پرداخت پر بھی بھرپور توجہ دینے کی حامی

ہے تاکہ فرد کی صلاحیتوں کو جلا حاصل ہو۔ چنانچہ تنظیم اسلامی کی قرار داد تاسیس (67ء) کا آغاز اس طرح ہوتا ہے۔

"آج ہم اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ایک ایسی اسلامی تنظیم کے قیام کا فیصلہ کرتے ہیں جو دین کی جانب سے عائد کردہ جملہ انفرادی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے میں ہماری مدد و معاون ہو۔

ہمارے نزدیک دین کا اصل مخاطب فرد ہے' اسی کی اخلاقی و روحانی تکمیل اور فلاح و نجات' دین کا اصل موضوع ہے۔ اور پیش نظر اجتماعیت اصلاً اسی لئے مطلوب ہے کہ وہ فرد کو اس کے نصب العین یعنی رضائے الٰہی کے حصول میں مدد دے"۔

اسی قرار داد میں مزید یہ درج ہے کہ :

"اس کے تمام شرکاء کے دینی جذبات کو جلا حاصل ہو' ان کے علم میں مسلسل اضافہ ہوتا رہے' ان کے عقائد کی تصحیح و تطہیر ہو' عبادات اور اتباع سنت سے ان کا شغف بڑھتا چلا جائے' عملی زندگی میں حلال و حرام کے بارے میں ان کی حس تیز تر اور ان کا عمل زیادہ سے زیادہ مبنی بر تقویٰ ہوتا چلا جائے اور دین کی دعوت و اشاعت اور اس کی نصرت و اقامت کے لئے ان کا جذبہ ترقی کرتا چلا جائے"۔

فرد کی اصلاح و تکمیل کے اس منشور کے ساتھ ساتھ اجتماعی سطح پر تنظیم کیا پروگرام رکھتی ہے اس کا فیصلہ تنظیم کے سالانہ خصوصی اجتماع ۵ تا ۱۱/ اگست ۷۷ء منعقدہ لاہور کی کارروائی میں ہے' جس میں چھ دن کی طویل نشستوں کے فیصلوں کا ذکر ہے جو حسب ذیل ہیں۔

(i) "اقامت دین' شہادت علی الناس اور غلبہ و اظہار دین کی سعی و جہد' نفلی عبادت یا اضافی نیکیاں نہیں بلکہ از روئے قرآن و حدیث بنیادی فرائض میں شامل ہیں۔"

(ii) ان فرائض کی ادائیگی کے لئے التزام جماعت لازم ہے۔

(iii) "آئندہ تنظیم اسلامی کا نظام..... قرآن و سنت سے ماخوذ اور اسلاف کی روایات کے مطابق بیعت کے اصول پر مبنی ہوگا...."

فرد کی تربیت اور اجتماعی اعلیٰ مقاصد وہ خصوصیات ہیں جو (ممکنہ حد تک) تنظیم اسلامی اپنے جلو میں رکھتی ہے اور ان کے حصول کے لئے گزشتہ ۲۳ سال سے

کوشاں ہے۔

۱۰۔ تنظیم اسلامی افراد کی تربیت کا کیا ہدف رکھتی ہے اور ان کو اجتماعی مقاصد کے حصول کے لئے کس طرح استعمال کرنا چاہتی ہے یہ نہایت بنیادی سوال ہے۔ علامہ اقبال نے اسے ایک شعر میں سمو دیا ہے۔

خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا اک انبار تو
پختہ ہو جائے تو ہے شمشیر بے زنہار تو

افراد کی تعمیر سیرت' کردار سازی' خودی کی تعمیر یا شاہین اور قرآن کا مرد مومن بنانے کے لئے قرآن کریم کے بتائے ہوئے دینی فرائض کا ایک صحیح تصور (Concept) ناگزیر ہے۔ افراد کے کرنے کے کام کیا ہیں؟ ان کا دائرہ کار کیا ہے؟ اور جماعت کی حیثیت سے کرنے کے کیا کام ہیں؟ اس کا ایک واضح نقشہ ہے جو ہمارے پیش رہنا ضروری ہے۔

تنظیم اسلامی کے لٹریچر میں دینی ذمہ داریوں کا ایک تصور موجود ہے جو ایک سہ منزلہ عمارت کی شکل میں ہے۔ ایک حصہ بنیاد پر مشتمل ہے اور تین منزلیں اوپر۔

الف۔ اس سہ منزلہ عمارت کی مثال میں بنیادی حصہ اس کی بنیاد ہے' جو کرسی (Plinth Level) سے نیچے ہے۔ اس کے لئے قرآن و حدیث کی اصطلاح "ایمان" ہے' لیکن بنیاد کی طرح اس ایمان کے بھی دو حصے ہیں ایک حصہ نظر آتا ہے جبکہ دوسرا زیر زمین ہوتا ہے۔ ایک قانونی ایمان یعنی اسلام' جو کلمہ شہادت پر مبنی ہے اور جس کا اعلان و اظہار لازمی ہے' جبکہ دوسرا حصہ ایمان حقیقی ہے جو از روئے قرآن دل میں مخفی ہوتا ہے۔ اس حقیقی ایمان کی کیفیات بدلتی رہتی ہیں۔ اعلیٰ ایمان کی کیفیت کو ایک حدیث پاک میں "احسان" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے جسے عرف عام میں تصوف بھی کہہ دیا جاتا ہے۔ اس مثال میں عمارت کی مضبوطی عموماً بنیادوں کی گہرائی پر منحصر ہوتی ہے لہٰذا بنیادوں کی مضبوطی' ایمان حقیقی اور گہرائی کا تصور احسان کی اصطلاح سے واضح کیا گیا ہے۔

ب۔ اب کرسی (فرش) سے اوپر پہلی منزل شروع ہوتی ہے۔ مروجہ طرز تعمیر میں کنکریٹ کے چار ستونوں اور تین چھتوں پر مشتمل یہ عمارت ہے۔ پہلی منزل پر چار ستون

—— اسلام کے چار ارکان (فرائض) ہیں۔ یعنی نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ۔ یوں بنیاد کا ظاہری حصہ ملا کر یہ چار ستون مل کر فرمان رسالت ﷺ "بُنِیَ الاسلامُ علٰی خمسٍ" کا مفہوم واضح کرتے ہیں۔ ان چار ستونوں پر ایک چھت ہے۔ اس چھت کو نام دیا گیا ہے "ہر مسلمان کا اپنی ذاتی زندگی میں اللہ کا بندہ بننا" اور یہ ہر شریک تنظیم کی پہلی ذمہ داری ہے۔ اس کے لئے قرآن و حدیث کی اصطلاحات ہیں۔ (i) اسلام (ii) عبادت (iii) اطاعت اور (iv) تقویٰ

ج۔ اب پہلی چھت سے چار ستون مزید بلند ہوتے ہیں یہ فرائض تو جوں کے توں رہیں گے اب دوسری چھت کا مرحلہ ہے اس چھت کو موسوم کر سکتے ہیں۔

د۔ دوسری چھت کے بعد تیسری منزل کا مرحلہ ہے۔ وہی فرائض و ارکان اسلام کے چار ستون علی حالیہ اوپر اٹھیں گے اور اس پر تیسری چھت آئے گی۔ اس چھت کو نام دے سکتے ہیں "اجتماعی سطح پر دین کے غلبے کے لئے کوشش اور جدوجہد کرنا۔" اگر تعمیر سیرت و کردار صحیح رخ پر ہے تو یہ مرحلہ بھی فطری اور لازمی ہے۔ اس کے لئے قرآن و حدیث کی اصطلاحات ہیں : (i) کُل دین اللہ کے لئے ہو جائے (ii) غلبۂ دین (iii) اظہار دین حق (iv) اعلاءِ کلمۃ اللہ (v) تکبیرِ رب —— مزید مروجہ اصطلاحات ہیں (vi) حکومتِ الٰہیہ (vii) اسلامی انقلاب (viii) نظام مصطفیٰ (ix) آسمانی بادشاہت —— اور مناسب ترین اصطلاح از روئے حدیث (x) خلافت علیٰ منہاج النبوۃ۔

ہ۔ اب اس عمارت کے در و دیوار اور نقش و نگار ہیں، جو عام اخلاقی قدریں اور حسن سلوک اور حسن معاشرت کے علاوہ آداب پر بھی مشتمل ہیں۔ جیسے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے : مِن حسنِ اسلامِ المرءِ ترکُہٗ مالا یعنیہ یعنی کسی شخص کے اسلام کی خوبصورتی اور حسن یہ ہے کہ وہ لایعنی امور کو ترک کردے۔

و۔ اس عمارت کی مثال سے فرائض دینی کا جامع تصور سامنے آتا ہے۔ اس کے تین ہی لوازم (Corollaries) ہیں۔

پہلا —— اس تعمیر کے لئے محنت اور کوشش درکار ہے، یعنی جدوجہد اور جہاد۔

دوسرا ـــــ جماعت۔ ان فرائض کی ادائیگی کسی جماعت کے بغیر ممکن نہیں ہے۔
تیسرا ـــــ بیعت۔ ایسی جماعت جو دین کے تصورات کے عین مطابق ہو وہ جماعت بیعت سمع و طاعت پر ہی قائم ہونی چاہئے تاکہ وہ منظم ہو اور حقیقی معنوں میں تنظیم کہلا سکے۔

۱۱۔ تنظیم اسلامی افراد کے لئے تربیت کا جو پروگرام رکھتی ہے' وہ اوپر بیان کردہ سہ منزلہ عمارت کے حوالے سے فرائض دینی کے تصور پر مبنی ہے۔ اس مثال میں بنیاد اور تین منزلوں کی باہمی اہمیت و افادیت بھی نہایت اہم ہے۔

لہٰذا یہ بات قابل توجہ ہے کہ کسی عمارت کی نمایاں ترین اور دور سے نظر آنے والی منزل تو اگرچہ سب سے اوپر والی یعنی تیسری ہی ہوگی مگر اہمیت کے اعتبار سے صاف ظاہر ہے کہ اہم ترین منزل پہلی ہی ہے۔ اس لئے کہ پہلی منزل تعمیر ہوگی تو دوسری اور تیسری کا مرحلہ آئے گا۔ اس لئے پہلی منزل سے صرف نظر کرکے اوپر کے فرائض کی ادائیگی ممکن نہیں۔ اسی طرح اگر کسی عمارت کی تعمیر میں بنیاد اور پہلی منزل میں اوپر کی منزلوں کی گنجائش نہ رکھی جائے تو اس صورت میں بھی اوپر کی تعمیر ممکن نہیں یعنی ان ہمہ جہتی اور مکمل فرائض دینی کی ادائیگی کے لئے اسی نوعیت کا یقین والا ایمان اور اسی خاص نوعیت کی پہلی منزل درکار ہوگی۔ حاصل یہ ہے کہ جس آدمی کی زندگی میں فرائض دینی کی دوسری اور تیسری منزل کا تصور نہیں ہے اس کے ایمان اور ذاتی زندگی میں بندگی رب کے تصور میں اور ـــــ ایک دوسرے شخص جو تنظیم اسلامی کا فعال اور منتظم رفیق ہے اس کے ایمان اور ذاتی زندگی میں پہلی منزل پر بندگی رب کے تصور میں کیفیت و کمیت (Quality and Quantity) کا واضح فرق ہوگا۔

ذاتی اور اجتماعی اہداف کے حصول کے لئے تنظیم اسلامی اپنے طریق تربیت میں نمایاں حیثیت رکھتی ہے۔ اور وہ ہے آلہ تربیت کے طور پر قرآن مجید کے تعلیم و تعلّم کو اختیار کرنا۔ یہ چیز آج کے دور کی جماعتوں سے تنظیم اسلامی کو بہت نمایاں کرنے والی ہے اور دور نبوی علی صاحبہا الصلوۃ والسلام سے گہری مشابہت پیدا کرنے والی ہے۔ چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ تنظیم اسلامی نے تو جنم ہی "تحریک دعوت رجوع الی القرآن" کی کوکھ سے

لیا ہے اور "انجمن خدام القرآن" کی نوعیت کی انجمنوں کے ملک گیر بلکہ عالمگیر Network کی آبیاری سے آگے بڑھ رہی ہے۔ یہ ایسا اعزاز ہے جو اسلام کی احیائی تحریکوں کے Scenirio میں آج شاید مشکل ہی سے تلاش کیا جاسکے۔ چنانچہ امیر تنظیم کے خطابات ہوں یا رفقاء کے اسروں کے چھوٹے اجتماعات' تحریکی لٹریچر ہو یا عام دعوتی اجتماعات (Corner Meetings) تمام گفتگو کا مرکز و محور قرآن ہی ہوتا ہے۔

اس نگاہ سے دیکھئے تو ایمان کی بات ہو تو قرآن کے حوالے سے ہے' ذاتی تربیت کا مرحلہ ہو تو قرآن ہی کی بیان کردہ اساسات پر اس کی اٹھان ہے' دعوت و تبلیغ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی مساعی ہوں تو قرآن ہی کی رہنمائی میں اور اجتماعی سطح پر نظام خلافت کے قیام کا ذکر ہو تو بھی یقیناً قرآن کی تعلیمات کے عین مطابق جہاد کے مراحل سامنے لائے گئے ہیں۔ بات جماعتی نظم کی ہو تو قرآن و سنت کی اصطلاح "بیعت" کا التزام ہے اور ضرورت شرکائے تنظیم کو متحرک (Motivate) کرنے کی ہو تو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق سمع و طاعت کے نظام پر زور دیا جاتا ہے۔

اسی بنا پر بلا خوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ تنظیم اسلامی فکر و فلسفہ اور طریق کار کے اعتبار سے نہایت گہری مشابہت رکھتی ہے قرن اول کے مسلمانوں سے۔ اس دور میں ایک سچے مسلمان کا جو نقشہ ذہنوں میں ابھرتا ہے بلکہ آج تک دشمنوں کے ذہنوں میں راسخ ہے وہ ہے قرآن اور جہاد کے ساتھ' یعنی ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے ہاتھ میں تلوار۔ تنظیم اسلامی اسی کو اپنا Motto سمجھتی ہے۔ اور دنیا میں انقلاب لانے کے لئے اس راہ کے اولین مسافروں یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کی زندگیوں اور قربانیوں کی داستان کو نشان راہ بنائے ہوئے ہے۔ صحابہ کرامؓ بلاشبہ انقلاب کے داعی اول و اعظم حضرت محمد ﷺ کے ساتھی بنے اور اس کام میں بے شمار قربانیاں دیں' جانیں نچھاور کیں۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اس جماعت کو شاباش دی' Well Done کہا اور رضی اللہ عنہم کا خطاب بخشا۔

اس انقلابی جدوجہد اور انقلاب کے موثر ہونے کی تفصیلات جس کا مجموعی خوبصورت نام سیرت النبی ﷺ ہے آج ہمارے لئے مشعل راہ ہے اور خاکِ بدر و

تبوک ہماری آنکھوں کا سرمہ ہے۔ اسی مہر ہدایت (سراجاً منیرا) کی کرنوں نے منور کیا تھا عرب کے شتربانوں کے سیرت و کردار کو اور آج اسی ماہ منیر ﷺ کی سیرت مطہرہ سے ماخوذ' منہج انقلاب نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام' کی کرنیں رفقاء تنظیم اسلامی کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال رہی ہیں۔

۱۲۔ دنیا کے مسلمان ممالک میں ہر مسلمان کے ذمہ اگرچہ وہی فرائض دینی ہیں جو اوپر درج کئے گئے ہیں اور ان فرائض کی انجام دہی کے لئے کسی جماعت میں شریک ہونا بھی لازمی ہے مگر تاریخ کے بہاؤ کا جو رخ گزشتہ دو تین صدیوں سے چلا آرہا ہے اور اس میں پہلے سے جو مساعی اس راستے میں ہمارے اسلاف کرچکے ہیں' وہ ایک کردار اور عامل کی حیثیت رکھتی ہیں اور یوں برعظیم پاک و ہند میں "پاکستان" کی اہمیت بہت بڑھ جاتی ہے اور اس کی حیثیت نمایاں ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اس خطہ میں قائم ہونے والی اس احیائی جماعت کی مثال ہمارے لئے وہی ہے جو کہ زمانہ ماسبق میں رسولوں اور نبیوں کے بارے میں "مِن اَنفُسِهِم" کی تھی کہ ہمارے لئے اس میں زبان' علاقہ اور تہذیبی و ثقافتی مغائرت کا کوئی پردہ حائل نہیں ہے اور اسی خطہ پاک کے فرزندان توحید کی مساعی کا انقلابی تسلسل ہے جسے قرآن میں "مِلَّةَ ابیکم" کہہ کر خطاب کیا گیا ہے اور اس تنظیم اسلامی کا وجود اس خطے کے مسلمانوں پر یقیناً اللہ تعالیٰ کی طرف سے "وَمَا جعَلَ علیکم فِی الدِّینِ مِن حَرَج" کے مصداق اتمام حجت کی ایک شکل ہے۔

آج جو لوگ زمانے میں رائج عزت کے جھوٹے معیارات کو ٹھوکر مار کر اور معاشرے سے کٹ کر تنظیم اسلامی کی دعوت پر لبیک کہہ کر آگے بڑھ رہے ہیں' قرآن مجید نے انہیں اس عزت کے خطاب سے نوازا ہے یعنی "هُوَ اجتَبٰکم" کہہ کر پکارا ہے۔ یہ اعزاز رفقاء سے اعلیٰ کارکردگی کی توقع رکھتا ہے اور اس راستے میں ہمت و عزیمت کی مثالیں قائم کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ بقول شاعر ع اللہ کو پامردی مومن پہ بھروسا اللہ تعالیٰ "اجتبائیت" کے اس مقام پر پہنچنے والوں کو آخرت میں جن مقامات بلند تک "عروج" عطا فرمانا چاہتا ہے اس کی حقیقی جھلک تو آخرت ہی میں ملے گی تاہم اس کٹھن اور مشکل راستے کے تقاضے کے طور پر اللہ تعالیٰ ہم سے "وجَاهِدُوا فِی اللّٰهِ حَقَّ

جِھَادِہ" کا تقاضا ضرور کرتا ہے تاکہ ایسا نہ ہو کہ جس راہ پر قدم رکھا ہے اس کا حق ادا نہ کر سکیں اور یوں منزل سے ہم کنار نہ ہو سکیں۔ اگر یہ بازی ہم کھیل سکیں تو فلاح کا وعدہ بھی ہے اور "فَنِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْر" کی نوید جانفزا بھی' ـــــ جو راستہ کی سختیوں کو آسان کرنے والی ہے۔

۱۳۔ اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کا مالک بھی ہے اور خالق بھی' اسی نے انسان کو پیدا بھی کیا ہے' اس کے اندر بے پناہ صلاحیتیں رکھی ہیں' خیر و شر کی تمیز بخشی ہے' ہدایت کے لئے سامان مہیا کیا ہے' اپنی محبت کی لو ہر دل میں روشن کی ہے' وحی اور انزال کتب کے ذریعے مخلوق کا خالق سے مضبوط رشتہ قائم کر دیا ہے اور اب انسان جو اشرف المخلوقات ہے اس سے کچھ تقاضے ہیں جو انفرادی بھی ہیں اور اجتماعی بھی۔

بے شمار تنظیمیں' ادارے اور جماعتیں اپنے اپنے مقاصد کے لئے کوشاں ہیں۔ ان میں رفاہی ادارے بھی ہیں' قبائلی' قومی اور مذہبی روایات کے تحفظ کی انجمنیں بھی۔ مسلمانوں میں بھی اصلاحی کام کے لئے اجتماعی کوششیں اور تبلیغی مقاصد کی حامل جماعتیں بھی مصروف کار ہیں۔ اور سب سے اوپر اسلام کے احیاء کے لئے کام کرنے والی جماعتیں بھی ہیں جو اسی میدان میں ہیں۔

میرے اور آپ کے لئے "یہ گھڑی محشر کی ہے" کہ اپنی مصروفیات میں سے وقت نکالیں اور سوچیں کہ میں کہاں کھڑا ہوں؟ میری ترجیحات کیا ہیں؟ میری زندگی کا مقصد کیا ہے؟ اور اس مقصد کے حصول کے لئے میں کیا راست سمت کوشش کر رہا ہوں؟ اگر جواب ہاں میں ہے تو مبارک باد ہے۔ بس ذرا یہ مزید غور کر لیجئے کہ تنظیم اسلامی کی دعوت اور طریق کار کہیں دعوت اور اس کا طریق کار کے اعتبار سے آپ کی اختیار کردہ اجتماعیت سے بہتر تو نہیں ہے۔ اگر بہتر محسوس ہو تو پھر دیکھنا کوئی سابقہ تعلق اور دوستی اس بہتر Option کو اختیار کرنے میں آڑے نہ آنے پائے۔

اور ـــــ اگر جواب نفی میں ہے کہ میں تو اب تک بھولا رہا ـــــ یا ـــــ سبق تو یاد ہے مگر عملاً کوشش نہیں کر رہا ـــــ یا ـــــ سبق بھی یاد ہے عملاً کوشش بھی کر رہا ہوں مگر وہ اس اعلیٰ مقصد کے لئے نہیں ہے جو قرآن و حدیث سے ہر مسلمان کا

ہونا چاہئے تو ـــــ پھر یقیناً یہ موقع ہے 'سوچئے ـــــ خوب سوچئے ـــــ سوچ کر اس اجتماعی کوشش جس کا نام تنظیم اسلامی ہے ـــــ جو مروجہ مفہوم کے اعتبار سے نہ کوئی سیاسی جماعت ہے نہ مذہبی فرقہ بلکہ ایک اسلامی انقلابی جماعت ہے' جو اولاً پاکستان میں اور بالآخر ساری دنیا میں دین حق یعنی اسلام کو غالب یا بالفاظ دیگر نظام خلافت قائم کرنا چاہتی ہے۔ اس میں شامل ہو جائیے۔ اس لئے کہ صبح کا بھولا دوپہر یا بعد دوپہر کیا شام کو بھی گھر آ جائے تو اسے بھولا ہوا نہیں کہتے۔ کتنی دل لگتی بات فرمائی ہے رسول ﷺ نے "التَّائبُ مِنَ الذنبِ كمَن لاذَنب لَه" ابن ماجہ (گناہ سے توبہ کرنے والا شخص ایسا ہے جس نے کبھی گناہ کیا ہی نہیں) کیا آپ واقعی یہ نہیں چاہتے کہ آپ کے سارے گناہ معاف کر دیئے جائیں۔

۱۴۔ اب جو ہمت ور آگے بڑھ کر تنظیم اسلامی کی اس دعوت پر لبیک کہہ کر اس میں شمولیت اختیار کر لے' اگرچہ حقیقتاً اس کے لئے تفصیلی طریقہ کار کے بارے میں وہی الفاظ ہو سکتے ہیں جو حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غالباً ۴ھ میں مکہ میں سولی پر چڑھنے سے پہلے فرمائے تھے کہ "جب میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان دے رہا ہوں تو مجھے پرواہ نہیں ہے کہ میرا لاشہ دائیں پہلو گرتا ہے یا بائیں"۔

تاہم کسی جماعت کے مرکزی رہنماؤں کے سامنے تو یقیناً قرآن و سنت سے ماخوذ واضح لائحہ عمل ہونا چاہئے اور اس پر مسلسل نگاہ بھی رکھنی چاہئے۔ رفقائے تنظیم کو بھی گاہے گاہے اس پر تنقیدی نگاہ ڈالتے رہنا چاہئے۔ تنظیم اسلامی کے پیش نظر اسلامی انقلاب یا نظام خلافت کے قیام کا طریق کار یہ ہے کہ ـــــ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کی فلاح کے لئے سر دھڑ کی بازی لگانے کو تیار ہوں وہ :

☆ سب سے پہلے خود پوری طرح مسلمان اور حقیقی معنی میں اللہ تعالیٰ کے بندے بنیں اور اپنی ذات اور اپنے دائرہ اختیار میں شریعت اسلامی کو نافذ کریں اور اس کے لئے اپنے نفس کے خلاف جہاد بھی کریں اور بگڑے ہوئے ماحول سے بھی مردانہ وار کشمکش کریں اور دوسروں کو بھی مقدور بھر اس کی دعوت دیں۔

☆ باہم دینی اخوت اور ایمانی رشتوں میں بندھ کر آپس میں نہایت رحیم و شفیق اور دین

کے باغیوں اور مخالفوں کے خلاف سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائیں۔

☆ امیر تنظیم اسلامی کے ہاتھ پر ہجرت و جہاد اور سمع و طاعت فی المعروف کی بیعت کر کے اس تنظیمی نظم سے منسلک ہو جائیں۔

☆ اور اس طرح جو اجتماعی قوت وجود میں آئے وہ —— جب تک یہ قوت مناسب مقدار میں جمع نہ ہو جائے تن من دھن کے ساتھ اسی دعوت و تربیت اور تنظیم کی توسیع اور مضبوطی کی کوشش میں لگے رہیں اور سب سے زیادہ توجہ اپنی اور اپنے ساتھیوں کی اصلاح اور تزکیہ پر صرف کریں۔

☆ اس دوران میں تحریر و تقریر کے ذریعے بھلائی کی دعوت دیتے رہیں اور برے کاموں سے روکتے ہیں' لیکن نہ ملکی انتخابات میں حصہ لیں اور نہ ہی کسی سیاسی ہنگامے میں فریق بنیں۔

☆ اس پورے عرصے میں کسی نکتہ چینی اور تمسخر سے بددل ہوں نہ کسی جبر و تشدد سے خوف کھائیں بلکہ کامل صبر و تحمل سے کام لیں اور ہرگز کوئی جوابی کارروائی نہ کریں۔

☆ اور جب مناسب قوت فراہم ہو جائے تو راست اقدام کے طور پر —— اسلام نے جن برائیوں کی نشان دہی کی ہے ان کا قلع قمع کرنے کے لئے کمر کس لیں۔

☆ اس کے لئے جلسوں جلوسوں' مظاہروں اور ناکہ بندیوں کی شکل میں اپنی طاقت کے مظاہرے کے لئے تمام جدید ذرائع استعمال کریں' اس شرط کے ساتھ کہ یہ سب کچھ پر امن ہو اور اس میں ان کی جانب سے کوئی تشدد نہ ہو۔

☆ اور اگر ان پر تشدد کیا جائے تو کمال صبر و استقلال کا مظاہرہ کریں حتیٰ کہ اس راہ میں جان دینے کو اپنے لئے سب سے بڑی کامیابی سمجھیں' تا آنکہ اس پیہم کشمکش اور جہاد فی سبیل اللہ میں حق کا بول بالا ہو جائے یا شہادت کی موت نصیب ہو جائے۔

۱۵۔ آخرت پر ایمان کے بعد اگرچہ آدمی ہر کوشش نتائج سے بے نیاز ہو کر کرتا ہے مگر اللہ تعالیٰ نے محمد رسول ﷺ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا ہے انہوں نے اپنی امت کے "آخرین منھم" کے لئے ہمت بندھانے کے لئے ایسی خبریں دی ہیں جن کی رو سے

دورِ نبوت کے بعد دورِ خلافت ہو گا' پھر ظالمانہ بادشاہتوں کا سلسلہ چلے گا تا آنکہ مسلمانوں پر غیروں کی غلامی مسلط ہو جائے گی۔ اس کے بعد اسلام کے غلبہ کا دور آئے گا اور اب یہ غلبہ کسی علاقے سے آغاز ہو کر بالآخر عالمگیر ہو جائے گا۔

اب گزشتہ نصف صدی سے غلامی کا دور آہستہ آہستہ ختم ہو رہا ہے اور اب تمام دنیا میں مسلمانوں میں بیداری اور اسلام کے عالمی غلبہ کی خواہش زور پکڑ رہی ہے اور سب سے بڑھ کر علمی اور فکری کام برعظیم پاک و ہند کے مسلمانوں کا ہے جس کے نتیجے میں پاکستان اسلام کے نام پر بنا اور آہستہ آہستہ ڈگمگاتی اور ہچکولے کھاتی کشتی کی طرح یہ ملک منزل کی طرف رواں دواں ہے۔

اسی سرزمین میں یہ تنظیم اسلامی علامہ اقبال کی شاعری کی صدائے بازگشت' ابوالکلام کی دعوت قرآنی کا مصداق' سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی دعوتی سرگرمیوں اور فکر کی نقیب' شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کی مجاہدانہ سرگرمیوں کی امین بن کر سرگرم عمل ہے۔

زمانہ ماضی کی چار صد سالہ تجدیدی مساعی اور ماضی قریب کے مجددانہ فعالیت اور مسلمان پاک و ہند و بنگلہ دیش کی قربانیوں کے پیش نظر اللہ تعالیٰ سے قوی امید ہے کہ خیر القرون کے بعد اسلام کے گہوارے میں آنے والا "آخرین منھم" کا یہ خطہ جو جغرافیائی نقشہ میں عین قلزم کے سامنے ہے' شاید عالمی خلافت کا نقطہ آغاز ثابت ہو جائے۔

اللہ کرے ایسا ہی ہو ـــــ مگر اس کے لئے اس کے شایان شان محنت و عزم و استقلال کی ضرورت ہے جس کی پکار لگا رہا ہے ایک تہائی صدی سے ایک داعی قرآن ـــــ مقری قرآن ـــــ اور ـــــ مفسر منہج انقلاب نبویؐ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام یعنی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب مدظلہ العالی۔

ـــ الا ہل من مستمع؟ والا ہل من مجیب؟

امّتِ مسلمہ کی عمر (۸)

اور

مستقبل قریب میں مہدی کے ظہور کا امکان

امین محمد جمال الدین
شعبۂ دعوت وثقافت، دعوت اسلامی کالج، جامعہ الازہر

کی معرکۃ الآراء کتاب "عمر امۃ الاسلام وقرب ظہور المہدی" کا

پانچواں باب

قیامت کی بڑی نشانیاں

مترجم: پروفیسر خورشید عالم، قرآن کالج لاہور

دوسری فصل

وہ علامات جن کو مومن دیکھ نہ سکیں گے

یہ چار ہیں۔ تین خسوف (زمین کا دھنس جانا)، مشرق، مغرب اور جزیرۃ العرب میں، چوتھی آگ ہے جو عدن کی گہرائی یا مشرق سے نکل کر لوگوں کو ہانک کر محشر کے میدان میں لے جائے گی۔

خسف سے مراد زمین کا پھٹ کر لوگوں کو نگل لینا ہے۔ وہ ایک قسم کا عذاب اور انتقام ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اِس اُمّت میں تین طرح کے عذاب ہوں گے۔ زمین کے دھنسنے سے، صورت کے مسخ کرنے سے اور سنگ باری سے۔ یہ اس وقت آئیں گے جب گانے والیوں اور آلاتِ طرب کا چرچا ہو گا اور جب میخوری

عام ہو جائے گی۔"{۳۴}

لیکن خسف (زمین کا دھنسنا)' قذف (سنگباری) اور مسخ (صورت کا بگڑنا) عام نہیں ہو گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو ان عذابوں سے بچا رکھا ہے۔ یہ عذاب خاص خاص جماعتوں پر نازل ہوں گے۔

اسی بناء پر اللہ تعالیٰ مومن لوگوں کو وفات دے دے گا تاکہ وہ نہ تو قیامت کے زلزلہ کو دیکھ سکیں اور نہ ہی مشرق' مغرب اور جزیرۃ العرب میں ظاہر ہونے والے تین عذابوں کو دیکھ پائیں۔

اللہ کے رسول ﷺ کا قول ہے کہ "قیامت تو بدکاروں پر آئے گی"۔{۳۵}

اللہ کے رسول ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ "قیامت اس وقت قائم ہو گی جب روئے زمین پر کوئی اللہ اللہ کہنے والا نہ رہے گا"۔{۳۶}

ان تین خسوف کے بعد آخری بڑی علامت نمودار ہو گی اور یہ کائنات کے ہولناک حقیقی انقلاب کی پہلی نشانی بھی ہو گی۔ یمن سے یا عدن کی گہرائی سے یا مشرق سے ایک آگ نکل کر لوگوں کو ہانک کر سرزمین شام کے میدان حشر میں لے جائے گی۔

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا : "جہاں تک قیامت کی پہلی نشانی کا تعلق ہے وہ آگ ہے جو مشرق سے ظاہر ہو کر لوگوں کو حشر کے لئے مغرب میں جمع کر دے گی"۔{۳۷}

مسلم کی اس روایت میں جو پہلے باب میں حذیفہؓ بن اسید سے مذکور ہے' آیا ہے :

". . . اور آخری نشانی وہ آگ ہے جو یمن سے نکل کر لوگوں کو میدان محشر میں نکال کر لے جائے گی"۔

ایک روایت میں ہے "... آگ عدن کی گہرائی سے نکل کر لوگوں کو میدان محشر میں دھکیل دے گی' جہاں وہ رات بسر کریں گے وہ رات بسر کرے گی' جہاں وہ قیلولہ کریں گے وہ قیلولہ کرے گی"۔{۳۸}

یہ آگ کسی کافر کو پیچھے نہیں رہنے دے گی بلکہ ان سب کو اپنے آگے اچھی طرح ہانک کر لے جائے گی۔ جو ان میں سے پیچھے رہا اسے کھا جائے گی۔ یہاں تک کہ ان کو شام میں بپا میدان حشر کی طرف جانے پر مجبور کر دے گی۔

تیسری فصل

کائنات کا انقلاب اور اس کا خاتمہ

اس باب کو ختم کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس دنیا کی انتہا اور حیاتِ ابدی کی ابتداء کے بارے میں تھوڑا سا تذکرہ کر دیں۔ کیونکہ یہ موضوع ان بڑی علامات سے متعلق ہے جن کا ابھی ابھی ہم نے تذکرہ کیا ہے۔ پھر آخرت پر ایمان کے حوالے سے اس کا علم ہمارے عقیدہ کا لازمی جزو ہے۔ اللہ عزّوجلّ جب دنیا کے خاتمے اور بربادی کی اجازت دے گا تو فرشتے اسرافیل کو جس کا کام صور [۳۹] پھونکنا ہے، صور پھونکنے کا حکم دے گا۔

پہلا نفخہ (پھونک)، گھبراہٹ کا نفخہ

یہ نفخہ خاصا طویل ہو گا جس کو سن کر آسمان و زمین پر رہنے والے سب ڈر جائیں گے سوائے ان کے جن کو اللہ بچالے اور وہ انبیاء اور شہداء ہیں۔ یہ پھونک سن کر سب زندہ لوگ خوفزدہ ہوں گے کیونکہ انبیاء اور شہداء بھی اپنے رب کے یہاں زندہ ہیں اس لئے اللہ انہیں اس چیخ کے ڈر سے بچالے گا۔ اللہ تعالیٰ کا قول ہے :

"اور کیا گزرے گی اس روز جب کہ صور پھونکا جائے گا اور ہول کھا جائیں گے وہ سب جو آسمانوں اور زمین میں ہیں سوائے ان لوگوں کے جنہیں اللہ اس ہول سے بچالے گا۔ اور سب کان دبائے اس کے حضور حاضر ہو جائیں گے"۔

(النمل : ۸۷)

یہ وہی نفخہ ہے جس کی وجہ سے پوری کائنات بری طرح حرکت کرنے لگے گی اور ایک زبردست زلزلہ آئے گا جس کی وجہ سے سب جوڑ کھل جائیں گے اور وہ سب بندھیلے پڑ جائیں گے جو اس ہم آہنگ کائنات کو مربوط رکھے ہوئے ہیں۔ زمین لرز جائے گی، اس کو جھٹکے لگیں گے۔ پہاڑ گر کر زمین کے ساتھ برابر ہو جائیں گے اور وہ ریزہ ریزہ ہو کر ذروں کی مانند بکھر جائیں گے۔ سمندر پھٹ کر ایک دوسرے میں گر جائیں گے اور

بھڑکتی ہوئی آگ میں تبدیل ہو جائیں گے۔ آسمان میں ایک بہت بڑا شگاف پڑ جائے گا جس کی وجہ سے اس کی جاذبیت (Gravitation) جاتی رہے گی۔ سیّارے غبار آلود ہو جائیں گے۔ ستارے پے بہ پے گرنے لگیں گے۔ سورج اور چاند کو جمع کر کے پھینک دیا جائے گا۔ ہر ایک کی روشنی جاتی رہے گی۔ ہر چیز فنا ہو جائے گی۔ کائنات اسی طرح کہر اور بخار میں بدل جائے گی جیسے تخلیق سے پہلے تھی۔

یہ وہی نفخہ ہے جو اس چھوٹے سے مغرور انسان کی عقل غارت کر دے گا جو اپنے خالق سے بھی بڑا بننے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ اس کی عقل زائل ہو جائے گی' اس کے ہوش و حواس اڑ جائیں گے۔ وہ اپنی کم عقلی' ذہنی اضطراب و ہیجان کے ساتھ روئے زمین پر یوں آوارہ گھومے گا جیسے جل مرنے والے پروانے گھومتے ہیں۔ جو بھی اس نفخہ کو سنے گا وہ گردن موڑ کر اس کی طرف توجہ دے گا۔ ایک کان کو اوپر اٹھا کر اور دوسرے کان کو نیچا کر کے اس خوفناک چیخ کے مرکز کی طرف دھیان دے گا۔

یہ وہی نفخہ ہے جو اچانک اس وقت آئے گا جب وہ غفلت میں مدہوش اور کفر میں غرق ہوں گے۔ ان کی حالت کو اللہ کے رسول ﷺ نے یہ کہہ کر واضح کیا ہے:

"قیامت اس وقت آئے گی جب دو آدمیوں نے اپنا کپڑا بچھا رکھا ہو گا' نہ ان کو باہمی خرید و فروخت کو ختم کرنے کی مہلت ملے گی اور نہ کپڑا لپیٹنے کی اجازت۔ قیامت اس وقت آئے گی جب اونٹنی کا دودھ لے جانے والے کو پینے کی بھی مہلت نہیں ملے گی۔ قیامت اس وقت آئے گی جب آدمی پانی کا حوض تیار کرے گا مگر اسے جانوروں کو پانی پلانے کی مہلت نہ ملے گی۔ اور قیامت اس وقت آئے گی جب کسی نے اپنا لقمہ منہ تک اٹھایا ہو گا اور اسے اتنی مہلت نہ ملے گی کہ وہ اس کو منہ میں ڈال لے"۔ {۴۰}

اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

"لوگو! اپنے رب کے غضب سے بچو۔ حقیقت یہ ہے کہ قیامت کا زلزلہ بڑی (ہولناک) چیز ہے۔ جس روز تم اسے دیکھو گے حال یہ ہو گا کہ ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے بچے سے غافل ہو جائے گی اور ہر حاملہ کا حمل گر جائے گا اور لوگ تم کو مدہوش نظر آئیں گے حالانکہ وہ نشے میں نہ ہوں گے' بلکہ اللہ کا عذاب ہی کچھ

ایسا سخت ہو گا"۔ (الحج : ۱،۲)

دوسرا نفخہ، بے ہوشی اور موت کا نفخہ

پھر اللہ تعالیٰ اسرافیل کو دوسری مرتبہ صور پھونکنے کا حکم دیں گے۔ یہ بے ہوشی کا نفخہ ہو گا۔ انبیاء اور شہداء سمیت زمین و آسمان کی ساری مخلوق بے ہوش ہو کر مر جائے گی، سوائے ان کو جن کو اللہ بچانا چاہے گا۔ وہ آٹھ فرشتے ہیں : جبریل، میکائیل، اسرافیل، موت کا فرشتہ اور عرش اٹھانے والے چار فرشتے۔ {۴۱}

اللہ تعالیٰ کا قول ہے :

"اور صور میں پھونک ماری جائے گی، سو تمام آسمان اور زمین والوں کے ہوش اڑ جائیں گے سوائے ان کے جن کو اللہ تعالیٰ بچانا چاہے۔ پھر اس میں دوبارہ پھونک ماری جائے گی تو دفعتاً سب کے سب کھڑے ہو جائیں گے اور (چاروں طرف) دیکھنے لگیں گے"۔ (الزمر : ۶۸)

پھر اللہ تعالیٰ حکم دیں گے کہ جبریل، میکائیل، اسرافیل اور عرش اٹھانے والے چار فرشتوں کی روح قبض کر لی جائے۔ صرف اللہ تعالیٰ اور موت کا فرشتہ باقی رہ جائیں گے۔ پھر اللہ اس فرشتے سے کہے گا کہ تو میری مخلوق ہے، جب میں نے ارادہ کیا تجھے پیدا کر دیا، اب مر جاؤ۔ چنانچہ ملک الموت مر جائے گا اور سوائے الجبّار تبارک و تعالیٰ کے کوئی باقی نہیں رہے گا۔ وہ زندہ ہے، اسے موت نہیں آئے گی۔ وہ اول ہے جس سے پہلے کوئی چیز نہیں، وہ آخر ہے جس کے بعد کوئی چیز نہیں۔ وہ زمین و آسمان کو اپنے دائیں ہاتھ میں پکڑ کر حرکت دے گا اور فرمائے گا : میں بادشاہ ہوں، میں جبار ہوں۔ زمین کے بادشاہ کہاں ہیں؟ کہاں ہیں جبر کرنے والے؟ کہاں ہیں فخر کرنے والے؟ آج کے دن کس کی بادشاہی ہے؟ آج کے دن کس کی مہمانداری ہے؟ آج کے دن کس کی بادشاہت ہے؟ ذاتِ الٰہی خود جواب دے گی : بادشاہی صرف اللہ کی ہے جو ایک ہے، جو قہار ہے۔

بخاری اور مسلم کی حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی حدیث کے مطابق کائنات چالیس (سال یا ماہ یا دن) تک اس عالم میں رہے گی۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا : "دو نفخوں کے درمیان چالیس کا وقفہ ہو گا"۔ لوگوں نے پوچھا : "اے ابو ہریرہؓ کیا

چالیس روز؟ انہوں نے کہا: مجھے پتہ نہیں۔ چنانچہ میں جواب سے انکار کرتا ہوں۔ انہوں نے پوچھا: چالیس ماہ؟ انہوں نے کہا: مجھے علم نہیں۔ انہوں نے پوچھا: کیا چالیس برس؟ انہوں نے کہا مجھے علم نہیں۔ {۴۲}

پھر اللہ تعالیٰ آسمان سے شبنم یا سائے کی مانند بارش اتارے گا' جس کے باعث مخلوقات کے جسم ایسے اگ آئیں گے جیسے سبزیاں اگتی ہیں۔ انسان کی دمچی (کمر کے نچلے حصے میں ابھری ہوئی ہڈی) کے سوا سب بوسیدہ ہو چکا ہو گا۔ قیامت کے روز مخلوق اسی ہڈی سے ترکیب پائے گی۔ اے عقل والو عبرت پکڑو!

جب تخلیق مکمل ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ سب سے پہلے اسرافیل کو زندہ کر کے اسے چیخ مارنے کا حکم دیں گے۔ یعنی وہ یہ کہیں گے: اے گلی سڑی ہڈیو! اے ٹوٹے ہوئے جوڑو! اے متفرق اعضاء! اے پارہ پارہ بالو! اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم سب فیصلے کے لئے اکٹھے ہو جاؤ۔ {۴۳} پھر وہ صور پھونکیں گے۔

تیسرا نفخہ' مر کر اٹھنے اور حشر نشر کا نفخہ

صور میں اتنے سوراخ ہیں جتنی مخلوقات کی ارواح ہیں۔ اسرافیل صور پھونکیں گے تو روحیں اڑ کر جسموں میں چلی جائیں گی۔ مومنوں کی روحیں روشنی میں دمکتی ہوئی اور کافروں کی روحیں اندھیروں میں بھٹکتی ہوئی اڑ کر جائیں گی۔ اللہ عزّ و جلّ فرمائے گا: "مجھے میری عزت و جلال کی قسم یہ روح اسی جسم میں داخل ہو گی جو دنیا میں اس سے آباد تھا"۔ چنانچہ روحیں جسموں میں سرایت کر جائیں گی۔ جسم قبروں سے اپنے سروں سے مٹی جھاڑتے ہوئے اٹھیں گے۔ کافر کہیں گے: یہ دن تو بڑا سخت ہے۔ اور مومن کہیں گے: شکر ہے اس اللہ کا جس نے غم کو ہم سے دور کر دیا۔

حواشی

{۲۹} ابن جریر نے اسے نقل کیا ہے اور طبرانی نے ابو مالک اشعریؓ سے روایت کیا ہے۔

{۳۰} دیکھئے ابن کثیر کی تفسیر قرآن' سورۃ الدخان

{۳۱} ابن کثیر کا قول ہے کہ حبر امت ابن عباسؓ کی طرف اس کی سند درست ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

(باقی حواشی صفحہ 38 پر)

آنحضور ﷺ اور سلطنتِ فارس

بسلسلہ علّامہ اقبال اور مسلمانانِ عجم (۷)

ڈاکٹر ابو معاذ

ایرانی مقبوضات میں اسلام کی اشاعت کا آغاز

آنحضور ﷺ کی حیاتِ طیّبہ کے آخری چار برسوں میں اسلام کی اشاعت بڑے پیمانے پر ہوئی۔ یمن ان دنوں ایران (سلطنتِ فارس) کا اہم صوبہ تھا جو آنحضورؐ کی زندگی کے پہلے برس سے مسلسل ایرانیوں کے قبضے میں تھا۔ یہاں پر ان کا ایک مستقل گورنر مقیم ہوتا تھا۔ مزید برآں ایرانی فوج اور عمائدین کی ایک معقول تعداد بھی وہاں موجود رہتی تھی۔ وہاں کے مقامی باشندے زیادہ تر یہودی اور عیسائی تھے مگر "اَلنَّاسُ عَلٰی دِینِ مُلُوکِھِم" (لوگ اپنے بادشاہوں کے مذہب پر ہوتے ہیں) کے مصداق ساٹھ سالہ غلبہ کے باعث وہاں پر ایرانی اثراتِ معاشرے میں گہرے ہو چکے تھے اور وہاں پر آتش کدے بھی روشن تھے۔ ایرانی عمائدین کو وہاں ابناء کہا جاتا تھا۔ آنحضور ﷺ نے ۱۰ھ میں وبر بن نخیسؓ کو ان کے پاس دعوتِ اسلام دے کر بھجوایا۔ وہ نعمان پسر بزرگ کی مہمان نوازی سے لطف اندوز ہوئے۔ وہیں سے دیگر ایرانی عمائدین فیروز دیلمی، مرکبود، وہب پسر منبّہ کے پاس دعوتِ اسلام کے مراسلے بھجوائے۔ یہ لوگ زردشتی عقائد کے باعث توحید کے نظریہ سے کسی حد تک آشنا تھے، بت پرستی سے دور تھے اور خداوند کریم نے انہیں فہم و فراست سے بھی نوازا تھا۔ لہٰذا یہ لوگ فوراً مسلمان ہو گئے۔ صنعاء میں سب سے پہلے حافظ قرآن حضرت مرکبود کے صاحبزادے عطا اور وہب بن منبّہ تھے جو ایرانی نوجوان تھے۔ یہ ایرانی عمائدین جب اسلام کے دائرے میں آ گئے تو انہوں نے مرکزِ فارس یعنی مدائن سے اپنا ناطہ یکسر توڑ لیا اور آنحضورؐ کی اطاعت کا دم بھرنے لگے۔ گویا یہ ایرانی بادشاہت اور قومیت سے پہلی علیحدگی تھی جو عقیدے میں

تبدیلی کے باعث ممکن ہوئی۔

نواحی صوبہ نجران ہرچند عیسائی آبادی کا مسکن تھا مگر پھر بھی جغرافیائی اعتبار سے ایرانی حدود میں موجود ہونے کے باعث ایرانی اثرات سے پاک نہیں تھا۔ ان لوگوں تک بھی آپ ؐ کا پیغام پہنچا اور ۱۰ھ میں یہ لوگ حضرت خالدؓ بن ولید کے ہاتھوں مسلمان ہو گئے۔

بحرین بھی ایرانی صوبہ تھا اور وہاں کی غالب اکثریت فارسی باشندوں پر مشتمل تھی۔ وہاں کے عرب قبیلہ عبدالقیس نے مدینہ کے تجارتی سفر میں آنحضور ؐ سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا' پھر ان لوگوں نے وہاں پر مسجد تعمیر کی۔ مسجد نبوی کے بعد بحرین کی مسجد وہ دوسرا مقام تھی جہاں پھر باقاعدہ طور پر جمعہ کا خطبہ پڑھا گیا۔ آنحضور ؐ نے حضرت علاء حضرمیؓ کو ۸ھ میں بحرین بھجوایا۔ وہ وہاں کے مسلمانوں کے ہاں مقیم ہوئے اور ایرانی عمائدین کو دعوتِ اسلام دی۔ یہاں پر اُن دنوں ایرانیوں کی جانب سے مقررہ کردہ گورنر منذر پسر ساویٰ تھا۔ انہوں نے دعوت اسلام پر لبیک کہا اور بڑی تعداد میں ایرانیوں نے زردشتی دین چھوڑ کر اسلام قبول کر لیا۔ بحرین کے علاقہ ہجر میں ایران کی جانب سے سیخبت حکمران مقرر تھا' اسے آنحضور ؐ کا مراسلہ موصول ہوا تو اس نے اپنے ایرانی ہم وطنوں کے ہمراہ دعوتِ اسلام پر لبیک کہا اور یہ لوگ اسلام کے علمبردار بن گئے۔

آنحضور ؐ نے ایرانی عمائدین کو اہم سرکاری ذمہ داریوں سے بھی نوازا اور ان پر اپنے اعتماد کا اظہار فرمایا۔ حضرت باذانؓ بن ساسان ایران کے شاہی خاندان (اہل ساسان) کے فرزند تھے اور مشہور شہنشاہ بہرام گور کی اولاد میں سے تھے۔ شاہی خاندان کے اسلام قبول کرنے والے وہ پہلے فرد تھے۔ آپ ؐ نے ان کی خاندانی نجابت اور فہم و فراست کے مدنظر انہیں یمن کا گورنر مقرر کیا۔ پھر ان کے صاحبزادے شہرؓ بن باذان کو اپنے باپ کے بعد یہ ذمہ داری تفویض فرمائی۔

ایرانی اشیاء کا استعمال

آپ ؐ نے نوشیروانی قبا بھی زیب تن فرمائی جو مشہور ایرانی لباس تھا۔ اس پر جیب

اور آستینوں کی جگہوں پر دیبا کی سنجاف تھی۔ پاجامہ ایرانی لباس تھا' آپؐ نے اپنے لئے منیٰ کے بازار سے خریدا تھا۔ ایک موقع پر آپؐ نے فرمایا کہ جب تم عجم فتح کرو گے تو وہاں تمہیں حمام ملیں گے' ان میں جانا تو چادر کے ساتھ جانا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ایرانی حمام کے وجود سے باخبر تھے۔ اسی طرح آپؐ کی خدمت میں جو تحائف عمائدینِ ایران نے یمن اور بحرین سے روانہ فرمائے وہ بھی آپؐ کے استعمال میں رہے۔

استخراج نتائج

اس مختصر مضمون سے چند نتائج اخذ کئے جاسکتے ہیں۔

الف) آنحضور ﷺ نے کسی بھی موقع پر عرب و عجم کا امتیاز ملحوظ خاطر نہیں رکھا۔

ب) ایرانی عمائدین نے دعوت اسلام کے فوراً بعد اسلام قبول کرلیا۔

ج) آنحضور ﷺ نے ایرانی عمائدین کو بطور گورنر نامزد فرما کر ان کے فہم و فراست اور نجابت کا احترام فرمایا۔

د) آپؐ نے ایرانی فنونِ جنگ سے استفادہ فرمایا اور دیگر اہم معاملات میں حضرت سلمان فارسیؓ سے مشاورت طلب فرمائی۔

ر) آپؐ نے ایرانی اشیاء کا استعمال بھی فرمایا۔

س) آپؐ کو مراکزِ ایران کے چشم دید مشاہدات بھی حاصل تھے۔

ص) آپؐ نے اہل عجم کے اسلام قبول کرنے کی بشارت بھی فرمائی تھی اور آپؐ کی آرزو بھی یہی تھی۔

اہل ایران سے وابستہ توقعات

آنحضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ اگر میری حدیث چاند پر بھی پہنچ جائے تو اہل فارس میں سے ایک شخص اسے وہاں سے بھی لے آئے گا۔ یہ اور بات ہے کہ ماہرین علمِ حدیث نے اس کی سند کو مقطوع قرار دیا ہے۔

اسی طرح آنحضور ﷺ نے بشارت فرمائی تھی کہ اسلام کے عہدِ ابتلاء میں خراسان سے لشکرِ اسلام روانہ ہوگا۔ خراسان ایران کا شمال مشرقی صوبہ ہے اور یہ ہمیشہ

زمانہ قدیم سے ایرانی سلطنت میں شامل رہا ہے۔ اس علاقہ میں فارسی بولی جاتی ہے اور اس میں افغانستان کے کچھ حصے' تاجکستان' واخان' چین کے صوبہ زنجیانگ کے کچھ حصے اور پاکستان میں مالاکنڈ ڈویژن کے کچھ حصے بھی شامل تھے۔ آپؐ نے فرمایا تھا کہ یہ لشکر ایلیاء (یعنی بیت المقدس) پہنچ جائے گا اور اس کا راستہ کوئی بھی روک نہیں سکے گا۔ اس طرح اہل خراسان کا لشکر مہدیؑ موعود کا مددگار بن جائے گا۔ یہ لوگ کالے جھنڈے اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ بنوامیہ کے انقراض کے وقت اور سلطنت بنو عباس کی تاسیس کے موقع پر ابو مسلم خراسانی بھی اپنے لشکر کو سیاہ علم اٹھوائے ہوئے لایا تھا مگر یہ لشکر یروشلم تک پہنچ نہیں پایا تھا۔

اس طرح آنحضور ﷺ نے اہل فارس کے علم و فراست اور جذبہ جہاد اور قربانی کی پیشین گوئی بھی فرمائی تھی۔ آنحضورؐ نے حجۃ الوداع کے موقع پر واشگاف الفاظ میں اعلان فرمایا :

((اَیّھا النّاس اَلا اِنّ ربّکم واحدٌ وانّ اباکم واحدٌ اَلا لَافضلَ لعربیٍّ علٰی عجَمیٍّ وَلالعجمیٍّ علٰی عَربیٍّ وَلَا لاَحْمَرَ علٰی اَسودَ وَلَا لِاسودَ علٰی احمرَ اِلّا بِالتّقوٰی))

(مسند احمد)

"لوگو! درحقیقت تمہارا پروردگار ایک ہے اور بے شک تمہارا باپ ایک ہے۔ کسی بھی صورت میں عربی کو عجمی پر' عجمی کو عربی پر' سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فوقیت نہیں ہے' اگر کسی وجہ سے فضیلت ہے تو وہ فقط تقویٰ کی بنا پر ہے۔"

اس عظیم اعلان کی وجہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اسلام کی نظر میں سب لوگ برابر ہیں مگر مختلف اقوامِ اسلام اپنی گوناگوں خصوصیات کے باعث اسلام کی خدمت کے مختلف فرائض سرانجام دینے کی اہلیت کی حامل ہیں۔ اس طرح مسلمانانِ عرب و عجم میں نفرت یا ناپسندیدگی کے جذبات کی بیخ کنی کی اشد ضرورت ہے۔ بقول اقبال ؏ "عرب کے سوز میں سازِ عجم ہے"

نہ ایرانیم و نے ترک و تتاریم
چمن زادیم و از یک شاخساریم

تمیزِ رنگ و بو بر ما حرام است
کہ ما پروردۂ یک نوبہاریم

(نہ ہم ایرانی ہیں اور نہ ہی تاتار کے ترک۔ ہم گلستان اسلام کے برگ و بار ہیں اور ایک شاخ سے وابستہ ہیں۔ ہم پر رنگ و نسل کی تفریق حرام ہے کیونکہ ہمیں ایک مشترک نوبہار نے پال پوس کر بڑا کیا ہے)

آنحضورؐ کے زمانہ کا ایران اور پائے تختِ ایران

آنحضور ﷺ کے زمانہ میں سلطنت فارس موجودہ ایران، افغانستان، تاجکستان، زنجیانگ، ازبکستان، ترکمانستان، کوہستان قفقاز، چیچنیا، آذربائیجان، آرمینیا، جارجیا اور موجودہ پاکستان کے بیشتر خطوں کے علاوہ جزیرہ نمائے عرب بشمول یمن و حجاز، عراق اور کچھ عرصہ کے لئے بحیرۂ روم کے ساحلی علاقوں (شام و فلسطین و مصر) پر محیط تھی۔ اس طرح یہ ایشیا کی سب سے بڑی بادشاہت تھی اور کئی موقعوں پر مغرب کی بازنطینی رومی شہنشاہیت کی افواج کو اہل فارس نے بری طرح مات دی تھی۔ ان کی طویل عرصہ تک مسلسل جنگ لڑنے کی استعداد، فہم و فراست، ہیبت و دبدبہ، ملّی جذبہ، شہنشاہی نظام کی گرفت اور مذہبی کلیسائی نظام کا استحکام انہیں دنیائے معلوم میں ایک منفرد مقام عطا کرتا تھا۔ معاشی اور انسانی ذرائع اور ان کے ریزرو (Reserve) انہیں کسی انتظامی اور دفاعی مشکل سے عہدہ برآ ہونے میں مددگار تھے۔ تاہم سلطنت کی وسعت، محلّاتی سازشیں اور عمائدینِ سلطنت کی ریشہ دوانیاں بتدریج پنپ رہی تھیں۔

جیسے کہ عرض کیا جاچکا ہے ان کا پائے تخت موجودہ بغداد سے بیس میل کے فاصلہ پر تھا اور یہ دجلہ کے کناروں پر آباد بستیوں کا ایک شاندار مجموعہ تھا۔ ایک بستی سلوکیہ کے نام سے موسوم تھی اور اسے سکندر اعظم کے جانشینوں (سلوکیوں) نے آباد کیا تھا۔ ایک شہر ٹیسفون تھا جو اب بھی عراق میں ایک گاؤں کی صورت میں موجود ہے۔ ٹیسفون کے تینوں اطراف پر ہلال کی صورت میں ایک فصیل تھی جس پر برج بنے ہوئے تھے۔ اس دیوار کے آثار اب بھی موجود ہیں۔ عربوں نے ان بستیوں کے مجموعے کو مدائن (مدینہ کی جمع) کہا۔ ٹیسفون کے گاؤں کے عین مرکز میں سیدنا سلمان فارسیؓ کا مدفن اب بھی موجود ہے جہاں

وہ حضرت عمر فاروقؓ کی جانب سے انتظام و انصرام کے لئے تعینات فرمائے گئے تھے۔ بقول اقبال ؎

آں مسلماناں کہ میری کردہ اند
در شہنشاہی فقیری کردہ اند
در امارت فقر را افزودہ اند
مثلِ سلماں در مدائن بودہ اند

(وہ مسلمان جو حکومت کرنے کے لئے منتخب ہوئے۔ انہوں نے بادشاہت میں بھی فقر کے اسلوب اپنائے رکھے تھے۔ انہوں نے اولوالامر ہوتے ہوئے بھی امارت اور فقر کا امتزاج پیش کیا تھا اور اس کی سب سے نمایاں مثال مدائن میں حضرت سلمان فارسیؓ کی تھی۔)

مدائن کو خسرو نوشیروان نے اپنا دارالحکومت بنایا تھا جسے ایوانِ مدائن، قصرِ مدائن اور طاقِ کسریٰ کے ناموں سے پکارا جاتا تھا۔ ایک عرب شاعر بحتری کے بقول ؎

وکان الإیوان من عجب الصنعة
جوب فی جنب ارعن حبس
مشمخر نعلو له شرفات
رفعت فی رؤوس رضوی وقدس
لیس یدری صنع انس لجنّ
سکنوه أم صنع جنّ لإنس

(اس کاخ شاہی کی تعمیر دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ گویا اسے کسی پہاڑ کی بلند چوٹی سے تراشا گیا ہے۔ اس کی رفعت و بلندی سے محسوس ہوتا ہے کہ گویا اس کی دیواروں کے کنگرے کوہِ رضوی اور کوہ قدس پہ اٹھائے گئے ہیں۔ نہ جانے اسے انسانوں نے جنّوں کی رہائش کے لئے تعمیر کیا ہے یا جنّوں نے انسانوں کے لئے۔)

آج تک ٹیسفون کے گاؤں کے جنوب میں ایوان مدائن کے آثار موجود ہیں جو کبھی نادرِ روزگار تھے اور اب بھی کھنڈرات کی صورت میں موجود ہیں۔ ان میں سے ایک دنیا کی بلند ترین محراب بھی ہے۔ اس کے پہلوؤں میں چھ منزلہ عمارات کی دیواریں قائم ہیں

جن کی چوٹی کا حصہ محراب کی چوٹی سے متصل ہے۔ یہی طاق کسریٰ خسرو نوشیروان کا محل تھا۔

خسرو پرویز (۵۹۰-۶۳۱ء) نے اس ایوان کی مرمت بھی کروائی تھی اور اس میں کئی ایک اضافے بھی کئے تھے۔ اس نے ہیروں اور جواہرات سے مزیّن ایک تہہ خانہ بھی تعمیر کروایا تھا۔ پھر فرش بہار نامی ابریشمی فرش (جو زمرد اور جواہرات سے مرصّع تھا) ایوان میں ڈالا تھا۔ یہ فرش بعد میں حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں مال غنیمت کے طور پر مدینہ منورہ لایا گیا تھا۔ حضرت علیؓ کے مشورہ سے اسے ٹکڑے ٹکڑے کر کے تقسیم کیا گیا تھا۔

مسلمانوں کی ایک سیلاب کی طرح بڑھتی ہوئی افواج نے اس ایوان کا گھیراؤ کیا اور ۱۶ مارچ ۶۳۷ء کو اس پر قبضہ کیا۔ محل میں داخل ہوتے ہی مشہور صحابی حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے وہاں باجماعت نماز شکرانہ ادا فرمائی اور سورۂ دخان کی تلاوت فرمائی جس میں آل فرعون کے محلّات اور مال و متاع کا ذکر کرتے ہوئے خداوندِ قدوس نے اہل حق کو اس کی ملکیت عطا کرنے کا اعلان فرمایا ہے، جس پر نہ آسمان رویا نہ زمین نے ماتم کیا اور نہ ہی ان کو مہلت دی گئی۔ شیخ سعدی شیرازیؒ (متوفی ۱۲۹۱ء) نے کیا خوب فرمایا تھا ؎

چو عیسیٰ در افواہِ دنیا فتاد
تزلزل در ایوانِ کسریٰ فتاد

(جب آنحضورؐ کی ولادت کی خبر لوگوں تک پہنچی تو ایوان کسریٰ میں زلزلہ آگیا)

اہلی شیرازی (متوفی ۱۵۳۵ء) نے کہا تھا ؎

کسریٰ کہ چوں ہلال بود طاقِ کسریش
از طاقِ ابروی چو ہلالِ محمدؐ است

(خسرو نوشیروان یا خسرو پرویز جن کے لئے طاق کسریٰ کا محراب ایک ماہ نو (ہلال) کا مظہر تھا وہ آج آنحضورؐ کے ابرو کے محراب کا نشان بن چکا ہے)

بالآخر ابھرتی ہوئی اسلامی عظمت کے سامنے یہ آثار بھی ماند پڑ گئے اور ان میں بسنے والے تاریخ کے صفحات میں گم ہو کے رہ گئے۔ مشہور ایرانی شاعر افضل الدین خاقانی (۱۱۲۶ء تا ۱۱۹۸ء) حج کی غرض سے جب ان کھنڈرات میں سے گزرا تو اس نے کیا خوب

کہا ۔

ہاں اے دلِ عبرت بیں از دیدہ نظر کن ہاں
ایوانِ مداین را آئینۂ عبرت داں
(اے عبرت آموز دل اپنی آنکھیں کھول اور ایوان مدائن کو عبرت کا آئینہ سمجھ)
گفتی کہ کجا رفتند آں تاجورانِ اینک
زایشان شکم خاکست آبستن جاویدان
(تو نے کہا ہے کہ وہ شہنشاہ کہاں چلے گئے؟ وہ مٹی کے پیٹ میں ہمیشہ کے لئے گم ہو کر اس کو حاملہ کر گئے)

اسلام کی عظمت' آنحضور ﷺ کی بعثت' تہذیبوں کا زوال' خدا کے ابدی پیغام کے حقانیت کی منہ بولتی ہوئی تصویر کے روپ میں آج مرکزِ عراق میں ایوان کسریٰ واقعی عبرت کا مقام بن چکا ہے۔ ہمیں قرآن حکیم بار بار حکم دیتا ہے کہ ہم ماضی کے آثار میں گھوم پھر کر دیکھیں کہ ہم سے پہلی کتنی طاقتور قومیں خاک میں مٹ گئیں۔ ان اقوام میں سے جنہوں نے حق کی آواز پہ لبیک کہا وہ آج بھی اپنے عظیم اسلامی تشخص کے ساتھ زندہ ہیں۔ فَاعتَبِرُوا یَااُولِی الاَبصَار!!

ضرورت رشتہ

دو سائنس گریجویٹ' بی ایڈ' پابند صوم و صلوٰۃ اور پابند شرعی پردہ' عمر 23 اور 25 سال' سید فیملی کی دوشیزاؤں کے لئے دینی مزاج کے رشتے درکار ہیں۔

برائے رابطہ : ملک تنویر الحق
ماڈرن بک ڈپو' سیالکوٹ کینٹ' فون : 266184

☆ ☆ ☆

24 سالہ بی ایس سی پاس باپردہ لڑکی کے لئے' جس نے دو سال دینی تعلیم بھی حاصل کی ہے' دیندار گھرانے سے موزوں رشتہ مطلوب ہے۔

معرفت : ع۔ س' ماہنامہ میثاق۔ ۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور

آمد بہار کی ہے . . . .

رحمت اللہ بٹر، مرکزی ناظم تربیت تنظیم اسلامی

﴿ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْآنُ . . . . ﴾

رمضان المبارک کی آمد آمد ہے اور یہ مبارک مہینہ ہم پر سایہ فگن ہونے والا ہے۔ اس موقع کی مناسبت سے ہمیں یاد کر لینا چاہئے کہ اس مہینے کی عظمت کیا ہے اور اس کے تقاضے کیا ہیں۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے روح اور جسم پر مشتمل مرکب وجود دیا ہے اور رب ہونے کے ناطے اس نے دونوں وجودوں کے لئے پرورش کا بندوبست کیا ہے۔ خاکی جسم کے لئے اس نے فرمایا : "هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا" اور روحانی جسم کے لئے نورِ مبین بھیجا کیونکہ یہی روح انسانی کی اصل غذا ہے۔ رمضان المبارک کا قرآن مجید سے خصوصی تعلق ہے اور اسی نسبت سے اللہ تعالیٰ نے رمضان المبارک کے روزوں کو انسانوں کے لئے فرض قرار دیا، وگرنہ روزے اگر کسی بھی مہینہ میں فرض کر دیئے جاتے تو روزہ کا مقصد تو حاصل ہو جاتا، لیکن پھر اس مقصد میں مزید افزونی ممکن نہ ہوتی۔ یعنی روزہ جو تقویٰ پیدا کرنے کا ذریعہ ہے اس کا بہترین مصرف یہ ہے کہ اس تقویٰ کے ذریعے اس ہدایت ربانی یا نور ہدایت سے استفادہ ہو جو اللہ تعالیٰ نے "هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ" بنا کر نازل کیا ہے۔ اگرچہ قرآن مجید تمام انسانوں کے لئے ہدایت ہے اور ایسی ہدایت ہے جو ہر چیز کو واضح کر دینے والی ہے، لیکن وہ ہدایت حاصل اسے ہو گی جس میں طلب پیدا ہو اور یہ طلب پیدا کرنے کا بہترین ذریعہ روزہ ہے۔ جیسے قرآن مجید میں فرمایا :

﴿ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ ﴾

اگر دیکھا جائے تو رمضان المبارک میں جو برکت رکھی گئی ہے وہ قرآن مجید ہی کی نسبت سے ہے کیونکہ قرآن وہ پارس ہے کہ جس سے بھی چھو جاتا ہے اس میں برکت پیدا کر دیتا ہے۔ دنوں میں سے جس دن میں قرآن مجید کے ذریعہ تذکر کا بندوبست کیا گیا وہ جمعۃ المبارک

بن گیا۔ جس رات میں قرآن مجید کا نزول ہوا وہ رات برکت میں ہزار مہینوں سے بڑھ گئی۔ جس مہینے میں وہ رات ہے اس کی برکت یہ ہے کہ

۱) اس میں ہر نیکی کم از کم ستر گنا اجر کی حامل ہو جاتی ہے۔

۲) یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا حاصل جنت ہے۔

۳) یہ باہم مسلمانوں میں اخوت و موانست پیدا کرتا ہے۔ اپنی بھوک پیاس سے دوسروں کی بھوک پیاس کا احساس پیدا ہوتا ہے اور سحری و افطاری اور صدقہ فطر کے ذریعہ دوسروں کی ضروریات پوری کی جاتی ہیں۔

۴) مومن کے رزق میں اللہ تعالیٰ فراوانی پیدا کر دیتا ہے اور روزہ افطار کرانے والے کو روزہ دار جتنا ہی اجر مل جاتا ہے' خواہ لسی کے ایک گھونٹ سے ہو۔

۵) جو کسی روزہ دار کو پوری افطاری کرواتا ہے اس کو روز قیامت حوض کوثر سے اس طرح سیراب کیا جائے گا کہ پھر اسے پورا دن پیاس نہ لگے گی۔

۶) اس میں کسی مزدور و غلام کے کام میں آسانی کرنا ہی آقا و اجیر کے لئے مغفرت کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

چنانچہ یہ اللہ کی رحمت و برکت کو لوٹنے کا موقع ہے جس کا اگر انسان کو احساس پیدا ہو جائے تو پھر وہ اس کا شکر ادا کرے گا اور اس کی کبریائی کے گن گائے گا۔

رمضان المبارک کی اس برکت کے ساتھ ساتھ اب قرآن مجید کے بارے میں چند غور طلب باتیں ذہن نشین کر لیجئے۔

۱) یہ اس لئے نازل ہوا ہے کہ حصول برکت کے ساتھ ساتھ اس کی آیات پر تدبر کیا جائے اور اس سے نصیحت حاصل کی جائے' کیونکہ عقلمندوں کے لئے اس کی طرف خود قرآن مجید نے توجہ دلائی ہے: "كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِّيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ"

۲) انسان کی سب سے بڑی ضرورت اور احتیاج راہ مستقیم کی بازیابی ہے کیونکہ یہی سب سے مشکل معاملہ ہے جو انسان اپنی عقل سے معین نہیں کر سکتا۔ لہٰذا وہ اپنی نماز کی ہر رکعت میں اس کے لئے اللہ سے ملتجی ہوتا ہے کہ اسے راہ مستقیم دکھائے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی راہنمائی عطا کرے۔ اور قرآن مجید فرماتا ہے کہ قرآن مجید ہی وہ

کتاب ہے جس نے وہ راہ مستقیم انسان کو دکھائی ہے۔ اور یہی انسانوں کے لئے بہترین نعمت اور اس کی انسانی بیماریوں کے لئے شفا ہے۔

۳) یہی ایمان لانے والوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے اور یہی بہترین خیر اور کامل نعمت ہے۔ ﴿یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۝﴾

۵) یہ سب سے اقوم (سیدھی ترین) راہ ہے اور اس راہ پر چلنے والوں کے لئے بشارت ہے کہ ان کی محنت کا اجر کبیر ملے گا۔ "اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ...."

۶) قرآن مجید شریعت کے ساتھ ساتھ ایمان کا ذریعہ ہے "وَكَذٰلِكَ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا.....وَاِنَّكَ لَتَهْدِیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ"

اب ذرا غور کیجئے مہبطِ وحی اور حاملِ قرآن ﷺ کے ارشادات کی روشنی میں قرآن مجید کی عظمت:

۱) آپؐ نے فرمایا: ہر چیز کے لئے ایک شرف ہوتا ہے جس پر کوئی فخر کرتا ہے اور میری امت کا شرف قرآن مجید ہے۔

۲) ہر نبی اور رسول اپنی امت کے لئے وراثت چھوڑ کر جاتا ہے اور وہ وراثت ان کو ملتی ہے جو ان کے ساتھ تعلق والے ہوں۔

۳) قرآن مجید میں مشغول رہنے والے کو اللہ تعالیٰ اتنا فضل عطا کرتا ہے جتنا وہ اپنے سائلوں اور ذکر کرنے والوں کو بھی نہیں دیتا۔ "من شغله القرآن عن ذكری ومسئلتی اعطیته افضل ما اعطی السائلین وفضل كلام الله علی سائر الكلام كفضل الله علی خلقه" (ترمذی)

اب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ خاص تعلق جو آپ کو رمضان اور پھر اس میں قرآن مجید سے تھا وہ بھی سمجھ لیجئے، تاکہ ہمارے اندر بھی اتباع کا جذبہ پیدا ہو اور ہم بھی اس ماہ میں کسی حد تک آپؐ کی اقتداء کرنے کی محنت کر سکیں۔

((كان النبی ﷺ اجود الناس بالخير وكان اجود مايكون رمضان، كان جبريل يلقاه كل ليلةٍ فی رمضان يعرض عليه النبی القرآن، فاذا لقيه جبريل

کان اجود بالخیر من الریح المرسلۃ))

اور دوسری حدیث میں ہے

((حین یلقاہ جبریل فیدارسہ القران))

دیکھئے یہ جبرائیل کے ساتھ دورۂ قرآن اور تدارسِ قرآن رات کے اوقات میں ہوتا تھا اور یہ قیامِ رمضان کے علاوہ ہے جو آپؐ فرمایا کرتے تھے۔ ہمیں سوچنا چاہئے کہ ان کی تو زبان بھی عربی تھی' پھر بھی وہ دورہ فرماتے' لیکن ہمیں تو لازماً اہتمام کرنا چاہئے کہ قیام کے علاوہ اس دورۂ قرآن کا بندوبست کریں تاکہ قرآن مجید کی ہدایت سے فائدہ اٹھائیں۔

اور آخری عشرہ میں تو یہ کیفیت ہوتی تھی کہ آپ ﷺ خود بھی ساری رات جاگتے تھے اور گھر والوں کو بھی جگاتے تھے۔

((اذا دخل العشر شدّ میزرہ واحی اللیل وایقظ اھلہ))

(متفق علیہ)

اس روزے اور قیام کے بارے میں فرمایا کہ یہ دونوں قیامت کے دن سفارش بنیں گے۔ قیامت کے دن روزہ کہے گا: اے رب' میں نے اسے دن میں کھانے اور شہوات سے روکا۔ قرآن کہے گا: میں نے اسے رات کو نیند سے روکا۔ اس لئے ہماری سفارش قبول فرمائیں۔ تو سوچئے کیا ہماری تراویح بھی ہمیں نیند سے روکتی ہے؟ وہ تو ہمارے معمول سے پہلے ہی ختم ہو جاتی ہے اور کہاں قرآن کے ساتھ قیام کا معاملہ ہے!! تو وہ اس صورت میں ممکن ہے کہ جب رات کا اکثر حصہ اس کو سمجھنے اور پھر سننے میں گزرے تو وہ سفارش کا ذریعہ بن سکے گا۔ تو یہ ہے وہ رمضان کا روزہ کہ دن میں اپنی خواہشات نفسانی پر قابو پایا جائے اور رات کو روح کو نورِ قرآن سے غذا مہیا کی جائے تاکہ اس روح میں اللہ کا قرب پیدا ہو اور وہ کیفیت ہو جائے کہ "وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ" اور "الصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ" یعنی روزہ کا اصل حاصل میرا قرب ہے' اور میں ہی اس کی جزا ہوں کہ انسان مجھے پالیتا ہے اور اس کا تعلق میرے ساتھ ہو جاتا ہے۔ جیسے آپؐ نے فرمایا کہ "یہ قرآن اللہ کے پاس سے آیا ہے اور اس پر شہادت حاصل کرو کہ اس کا ایک سرا اللہ کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا سرا تمہارے ہاتھ میں ہے"۔ اور یہ ہے اعتصام باللہ اور قربتِ رب جو اس سے حاصل ہوتا ہے۔

حضرت امام شاملؒ (۴)

امام شاملؒ کے حالات زندگی پر انگریزی زبان میں شائع ہونے والی کرنل محمد حامد کی کتاب کا ترجمہ و تلخیص

ترتیب و ترجمہ : اظہار احمد قریشی

ماہنامہ "میثاق" دسمبر ۹۷ء میں میرے مضمون کی قسط شائع ہوئی تو مجھے جناب میجر محمد اسماعیل نے کھاریاں چھاؤنی سے خط لکھا ہے کہ ان کے پاس لیسلے بلانچ کی کتاب The Sabres of Paradise موجود ہے جو وہ مجھے تحفے کے طور پر پیش کر سکتے ہیں۔ یہ کتاب میرے پاس پہلے ہی موجود ہے۔ چنانچہ میں نے اس کتاب سے استفادہ کا فیصلہ کر لیا ہے تاکہ کرنل محمد حامد صاحب کی کتاب میں جو کچھ نہ مل سکے اس کی تلافی کر لی جائے۔

میجر اسماعیل صاحب نے میری کتابوں کے سیٹ "اہل پاکستان کے لئے راہ عمل" کی بھی خواہش کی تھی۔ چنانچہ میں نے ان کو تین کتابوں کا سیٹ ارسال کر دیا ہے۔ حال ہی میں خبر تھی کہ چیچنیا والے ایک بڑا وفد حضرت امام شامل کی برسی کے موقع پر داغستان بھیجنا چاہتے تھے۔ لیکن روسی حکومت نے اجازت دینے سے انکار کر دیا جس پر خاصی تلخی ہوئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام شاملؒ کا مقام و مرتبہ اس سارے علاقے کے لوگوں کے دلوں میں ہے اور روسی حکومت بھی اس حقیقت سے کس قدر خائف ہے۔

☆ ☆ ☆

شہنشاہ روس

جب شہنشاہ کو اس علاقے کے دورے میں حضرت امام شامل کا خط ملا تو وہ بہت ناخوش ہوا۔ فوجی مہمات کی پوزیشن اس کی سمجھ سے باہر تھی۔ یہ جنگ ہر سال لمبی ہی ہو

رہی تھی۔ زیادہ سے زیادہ سپاہیوں کی ضرورت پڑتی تھی۔ اسلحہ اور سامان جنگ کی ضرورت زیادہ ہی ہوتی جا رہی تھی۔ روسیو کے نزدیک ایشیائی لوگوں یعنی چیچنیا اور داغستان کے لوگوں میں غرور بڑھ رہا تھا۔ شہنشاہ نے علاقے کے کمانڈر انچیف کو برخواست کر دیا اور چند سینئر افسروں کے عہدے بھی گرا دیئے۔

شہنشاہ کی آمد کے موقع کی تقریبات جو کہ جشن کی مانند تھیں۔ ان کے دوران شہنشاہ نے یہ کہا کہ : "میرا توکل دھیان اپنی فوج اور اس کے معاملات پر ہے۔"

شہنشاہ کو زنون ڈالی کے علاقے میں خوبصورت باغ بھی دکھلائے گئے۔ اس جگہ پندرہ سال بعد صرف سیاہ کھنڈرات ہی رہ گئے تھے۔ یہاں کا ملازم قتل کر دیا گیا تھا اور یہاں سے شہزادی اینا اور اس کا خاندان اغوا کر کے امام شامل ؒ کے گاؤں میں قید کر لیا گیا تھا۔ لیکن زار روس کی طبیعت متفکر ہی رہی اور وہ سیر و تفریح سے لطف اندوز نہ ہو سکا۔ شہنشاہ کو یہ تو احساس ہوا کہ اس علاقے کی فوج اور فوجی کارروائیاں روس کے دارالحکومت سینٹ پیٹرز برگ سے کنٹرول نہیں ہو سکتیں۔ چنانچہ مقامی فوجی انچارج کو پہلے سے زیادہ اختیارات دیئے گئے۔ اس علاقے میں تین فوجی مہمات متعین کر دی گئیں جن میں سب سے بڑی وہ مہم تھی جو حضرت امام شامل کے خلاف حرکت میں لائی گئی۔ جنرل گراب اس مہم کا انچارج بنا۔ شہنشاہ روس نے رخصت ہوتے وقت مذہبی کتب کا یہ فقرہ دہرایا اور کہا کہ میں اس کا مطلب جانتا ہوں : "روشنی ہو جا اور روشنی ہو گئی" (گویا اس کے حکم پر اس طرح عمل ہونا چاہئے)۔

معرکہ اکھلگو

۱۸۳۹ء کا اکھلگو کا محاصرہ اور روسیوں کی اس جگہ فتح' مریدوں کی جنگوں کا ایک اہم موڑ تھا۔ جو کچھ یہاں ہوا اس سے امام شامل ؒ کا عزم اس قدر پختہ ہو گیا کہ انہیں انتقام لینے کے ارادے سے کوئی چیز بھی نہیں روک سکتی تھی۔ اس کے بعد امام صاحب کی جنگ اس انتقامی جذبے کی وجہ سے تیز ہو گئی۔

مئی ۱۸۳۹ء میں امام صاحب اکھلگو میں مقیم ہو گئے اور وہاں قسمت پر بھروسہ کر

کے ناگزیر روسی حملہ کا انتظار کرنے لگے۔ امام صاحب کے لئے تو معاملہ خدا کے ہاتھ میں تھا۔ امام صاحب نے قلعہ بندی کے لئے جو کچھ کیا جا سکتا تھا کر دیا تھا۔ یہ جگہ قدرتی طور پر ناقابل تسخیر تھی۔ اس کے تین طرف بہت گہرائی میں دریائے اینڈی کو سو بل کھاتا ہوا بہہ رہا تھا اور یہ جگہ عمودی پہاڑوں کی چوٹیوں کے درمیان تھی۔ بلندی پر دو میدان تھے جن میں سے ایک پر اکھلگو قدیم تھا اور دوسرے پر اکھلگو جدید تھا۔ ان میدانوں کے اطراف میں عمودی بلند پہاڑ تھے جو جگہ جگہ نیچے دریا کی جانب جھکے ہوئے تھے۔ اس گاؤں کے دونوں حصوں یعنی اکھلگو قدیم اور اکھلگو جدید کے درمیان ایک انتہائی ڈراؤنا اور گہرا کھڈ تھا جس میں سے ایک چھوٹا دریا اشلہ بہتا تھا جو دریائے کوسو میں گرتا تھا۔ گاؤں کے ایک حصہ سے دوسرے حصہ تک جانے کا راستہ ایک تنگ لکڑی کا پل تھا جو کہ دریا سے ستر فٹ اونچا تھا۔ بڑی توپوں کی ایجاد سے پہلے ایسی قلعہ بندی پر بڑا حملہ ناممکن تھا۔ چنانچہ امام صاحب نے اس جگہ کو مقابلہ کے لئے منتخب کیا۔ وہ اگرچہ پوری طرح مطمئن نہیں تھے تاہم راضی برضائے مولا کے اصول پر قانع تھے۔

امام صاحب کی کل فیملی ان کے گرد جمع تھی۔ ان کی والدہ' ہمشیرہ' ان کی بیوی فاطمہ اور بیٹا جمال الدین' ایک اور بیوی جاورت اور اس کا دو مہینے کا بیٹا سعید۔ جاورت کے متعلق کچھ معلوم نہیں ہے۔ وہ امام صاحب کی دوسری بعد کی بیویوں کی مانند نہیں تھی' جن میں سے زیدت سے شادی سیاسی بنیاد پر ہوئی تھی اور شوآنیٹ ایک جنگی قیدی تھی۔ امام صاحب کو اپنی بیوی فاطمہ سے بہت زیادہ محبت تھی اور وہ ایک نہایت درجہ تنگی اور عسرت میں گزر بسر کرنے والے تھے۔ چنانچہ جاورت سے شادی ان کی بیٹوں کی ضرورت کی بنا پر ہی ہو سکتی تھی جو جنگجو بنیں اور جنگ جاری رکھیں۔

روسی فوج کی پیش قدمی کی وجہ سے بہت سے علاقے کے لوگ' عورتیں اور بچے غیر متوقع طور پر اکھلگو میں جمع ہو گئے۔ امام صاحب کے نائبین نے کہا کہ اس غیر متوقع آمد کی وجہ سے ایک ہزار کے لگ بھگ مزید انسانوں کو خوراک دینی ہو گی تو امام صاحب گھبرائے نہیں۔ ان کے مطابق تو ہر چیز خدا کے ہاتھ میں ہے۔ امام صاحب نے مدافعانہ انتظامات کا معائنہ کیا اور ذکر و فکر کی خاطر مسجد میں چلے گئے۔ شام کے دھندلکے کے وقت

امام صاحب مسجد کی چھت پر چڑھ جاتے تھے اور مجمع کو ساتھ لے کر اپنا بنایا ہوا ایک ترانہ گاتے تھے۔ یہ ترانہ روایتی داغستانی ترانوں کی جگہ لینے کے لئے بنایا گیا تھا۔ یہ ایک سنجیدہ ترانہ تھا اور اس کا مقصد لڑنے والوں کے جذبات ابھارنا نہیں تھا۔

اے خدا ہمیں پیچھے ہٹنے سے بچا لے
ہمیں ہماری منزل مقصود تک پہنچا!

۲۹/ جون علی الصبح روسیوں نے حملہ کر دیا۔ دو تین گھنٹے میں دو روسی توپوں کو بلند چٹان کے پیروں تلے نصب کر دیا گیا۔ روسی کمانڈروں نے رضاکار سپاہی مانگ لئے جو بلندیوں پر جا کر اکھلگو کی دیواریں توڑ ڈالیں۔ یہ حکم روسی سپاہیوں کے لئے ناممکن تھا کیونکہ وہ اوپر سے آتی پتھروں اور جلتی ہوئی لکڑی کی بارش سے نہیں بچ سکتے تھے جو کہ مجاہدین ان پر برسا رہے تھے۔ جب بھی روسی سپاہی کچھ اوپر کی جانب بڑھتے تھے تو ان پر امام صاحب کے واچ ٹاور سے فائر آتا تھا۔ بلکہ ایسے موقعوں پر مجاہدین اپنا بارودی اسلحہ بچاتے تھے اور نہایت ہوشیاری اور کاریگری سے خنجر اور نیزے کمال نشانہ بازی سے پھینکتے تھے۔ رات ہونے تک ۳۵۰ روسی مر چکے تھے اور پہاڑی چٹان کا عمودی حصہ خون سے لال ہو گیا تھا۔ روسیوں کی جانب سے انتہائی بہادری سے بھی کام نہیں چل سکتا تھا۔ چنانچہ روسیوں کو پیچھے ہٹنا پڑا۔

قلعہ بندی کے اندر امام صاحب کے چند بہترین لڑاکا مجاہد شہید ہو گئے تھے۔ چار دن بعد روسیوں نے دوبارہ حملہ کر دیا۔ انہیں کمک مل گئی تھی۔ چنانچہ انہوں نے ایک نئی توپ ایسی پوزیشن میں نصب کر دی جو مجاہدین کی بندوقوں کی زد میں نہیں تھی۔ اس توپ کو بڑی مشکل سے کھینچ کھانچ کر اوپر چڑھایا گیا۔ اس توپ نے اکھلگو کی بیرونی دیوار کے پرخچے اڑا دیئے اور یہ ملبہ کا ڈھیر بن گئی جس کے نیچے بہت سے مجاہدین زندہ دب گئے۔ لیکن اکھلگو کی جانب سے مدافعت جاری رہی اور اس کوشش میں کوئی کمی نہ آئی۔ جب بھی روسی جرنیل یہ خیال کرتے تھے کہ فتح ہو گئی ہے اور اپنے آدمی بھیجتے کہ جا کر کھنڈرات پر قبضہ کر لیں تو انہیں نزدیک پہنچ کر زبردست مقابلہ درپیش ہوتا تھا۔ چنانچہ یہ

نتیجہ نکالا گیا کہ قلعہ بندیوں کی صرف بیرونی دیوار کو نقصان پہنچا ہے' اندر تمام کچھ محفوظ ہے' اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کا کوئی طریقہ نہیں ہے۔ قلعہ بندیوں میں وافر خوراک تھی۔ اندر پانی کے کنوئیں تھے۔ چنانچہ مجاہدین بہت لمبے عرصہ تک محاصرہ برداشت کر سکتے تھے اور جو روسی عمودی چٹانوں پر چڑھ کر آتے تھے ان سے ایک ایک کر کے نمٹ سکتے تھے۔

۱۲/ جولائی کو روسی فوجوں کو مزید کمک پہنچ گئی۔ لیکن پوزیشن یہ تھی کہ حملہ کے لئے چاہے کتنی بھی فوج تھی اور کتنی بھی تعداد میں نشانہ باز اندھیرے میں بھیجے جاتے تھے ان میں سے بہت کم لوٹتے تھے اور یہ قلعہ نما چٹان ناقابل تسخیر تھی۔ اب یہ فیصلہ کیا گیا کہ کوئی تازہ حملہ کرنے سے پہلے اوپر چڑھنے کے لئے سیڑھیاں اور رسے ہونے چاہئیں جن کی مدد سے سپاہی اور توپیں اس مشکل علاقہ سے گزر سکیں۔ یہ انتظام کر کے روسی گولیوں کی بارش میں چلے تاکہ ایسی جگہ پہنچ جائیں جہاں سے وہ ایک مرتبہ پھر امام صاحب کی مضبوط قلعہ بندیوں میں داخل ہونے کی کوشش کریں۔ روسیوں کا بہت زیادہ نقصان ہوا لیکن ایک ہفتہ کی دن رات کی مسلسل بمباری کے بعد جنرل گراب کو جاسوسوں کی رپورٹوں پر یقین آنے لگا جو کہتے تھے کہ لڑائی بس ختم ہونے والی ہے' اس لئے کہ امام صاحب کا نقصان جتنا سمجھا جا رہا تھا اس سے کہیں زیادہ تھا۔ یہ جاسوس آوارہ قبائل کے لوگ تھے۔

قلعہ بندیوں کی بیرونی اور اندرونی دیواریں تباہ چکی تھیں۔ اندر خوراک کی سپلائی کم ہو رہی تھی کیونکہ گودام کو بھی نقصان پہنچا تھا۔ ضرورت کے وقت کام آنے کے لئے مویشی بھی موجود نہیں تھے کیونکہ ان کے لئے چارہ نہیں تھا۔ مجاہدین مسلسل بمباری کی وجہ سے تھک رہے تھے۔ اس کے علاوہ اب ان کے چاروں طرف غیر مدفون لاشیں تھیں۔ یہ بہت اہم تھا' کیونکہ لاشوں کی بدبو نے مجاہدین کو بہت پریشان کیا ہوا تھا' بلکہ یہ بدبو کبھی کبھی ہوا کے مناسب رخ ہونے پر نیچے دور روسی فوج کو بھی پہنچ جاتی تھی۔ اس گرمی کا سورج لاشوں اور زخمیوں پر چمکتا تھا اور مکھیاں زندہ لوگوں کو پریشان کرتی تھیں۔ دور دور سے گدھ بھی جمع ہو گئے تھے جو کھنڈرات پر غور و فکر کے انداز میں بیٹھے ہوئے تھے۔ پانی خراب ہو چکا تھا اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ مُردوں کو دفنانے کے لئے کوئی

جگہ نہیں تھی۔

لیسلے بلانچ تعجب کا اظہار کرتی ہے کہ مسلمان قبائل موت کو اتنی معمولی چیز سمجھتے تھے لیکن یہ لوگ اپنے مردوں کو لڑائی کے میدان میں دفنائے بغیر نہیں چھوڑتے تھے اور اس حالت میں جبکہ وہ خود تو پہاڑوں پر سے چھلانگ لگا سکتے تھے لیکن وہ اپنے مردوں کو اس طرح پہاڑ سے نیچے نہیں پھینکتے تھے۔ چنانچہ لاشیں ڈھیر کی شکل میں جن پر کچھ چھوٹے پتھر پڑے ہوئے تھے بد نظمی کی حالت میں پڑی تھیں۔

جب جنرل گراب کو یہ غلط اطلاع ملی کہ امام صاحب فرار ہونے کے تیاریاں کر رہے ہیں تو اس نے فیصلہ کیا کہ آخری حملہ کرنے کا وقت آگیا ہے۔ چنانچہ فوج کے تین دستے روانہ کئے گئے۔ پہلا دستہ ایک سنگل قطار کی شکل میں ایک بہت تنگ راستہ پر چلا جس کے دونوں جانب گہرے کھڈ تھے۔ اس دستہ کے پاس سیڑھیاں اور دوسرا سامان تھا اور ان کی حفاظت کے لئے مقابل کی پہاڑیوں پر توپیں تھیں۔ لیکن سامنے کی عمودی چٹان جو بالکل بے ضرر محسوس ہوتی تھی وہاں سے ایک بڑا نقصان کرنے والا فائر اس دستہ پر آیا۔ اس فائر کے ہوتے ہی اس دستہ نے ایک چوڑے پلیٹ فارم کی سی جگہ پر پہنچنے کی کوشش کی۔ انہیں امید تھی کہ یہاں سے وہ قلعہ بندی کی اوپر کی دیواروں پر پہنچ جائیں گے۔ سٹاف آفیسرز کی دوربینیں جو نیچے سے دیکھ رہی تھیں ان کے مطابق یہ پلیٹ فارم حملہ کرنے کے لئے بہترین جگہ تھی۔ لیکن جب فوجی دستہ وہاں پہنچا بلکہ دستہ کے وہ لوگ پہنچے جو مجاہدین کی گولیوں سے بچ نکلے تھے تو وہاں یہ دستہ دو جانب سے مجاہدین کی گولیوں کی زد میں آگیا۔ مجاہدین کے مورچے چھپے ہوئے تھے اور روسی پوزیشن سے نظر نہیں آتے تھے۔

اب چھ سو روسی سپاہی جن میں سے نصف زخمی یا قریب الموت تھے اس پلیٹ فارم پر جمع تھے۔ دو طرف گہرے کھڈ تھے۔ ایک جانب عمودی پہاڑ تھا اور ان کا واپسی کا واحد راستہ گولیوں کی بوچھاڑ میں تھا۔ یہ جگہ مقتل بن گئی۔ مجاہدین نہایت آسانی سے نشانہ لے کر افسروں کو مار رہے تھے۔ سپاہیوں پر مجاہدین اپنا بارود ضائع نہیں کرنا چاہتے تھے کہ یہ تو صبح تک تھکن اور موسم کی وجہ سے خود ہی ختم ہو جائیں گے۔

دوسرا فوجی دستہ دوسرے راستے سے آرہا تھا۔ اس پر بہت سارے بڑے بڑے پتھر

اوپر سے لڑھکا دیئے گئے جن کے نیچے وہ کچلے گئے اور یہ پتھر اور مردہ فوجی راستہ میں ہی پڑے رہے بلکہ راستہ روک کر پڑے رہے۔

تیسرا دستہ جو ایک اور طرف سے آرہا تھا اس نے کوشش کی کہ قلعہ بندیوں کے بیرونی استحکامات تک بغیر کسی مدافعت کو سر کئے پہنچ جائے۔ لیکن ایک جگہ ان پر اچانک عورتوں اور بچوں کے ایک ہجوم نے حملہ کر دیا جو کہ اوپر کے کھنڈرات میں سے نکلے تھے۔ عورتوں نے مردوں کے لباس پہنے ہوئے تھے تاکہ روسیوں کو یہ خیال نہ ہو کہ ان کے پاس مرد کم ہیں۔ یہ عورتیں تلواریں سونت کر دشمن پر پل پڑیں جبکہ بچے دونوں ہاتھوں میں خنجر تھامے روسیوں کی سنگینوں تلے چلے گئے تاکہ وہ روسی سپاہیوں کے پیٹ پھاڑ سکیں۔ جب یہ بچے گر جاتے تھے تو ان کی مائیں ان کے جسموں کو اٹھا کر نیچے آنے والے دشمن پر پھینکتی تھیں اور پھر خود بھی دشمن پر چھلانگ لگا دیتی تھیں۔ ایک مرتبہ مزید روسی کمانڈروں کو پیچھے ہٹنا پڑا تاکہ وہ مزید تیاری کے بعد اگلا حملہ کریں۔

قلعہ بندیوں کے اندر حالات اتنے خراب نہیں تھے جتنے تاتاری جاسوسوں نے بیان کئے تھے۔ امام صاحب نے اپنے زخمیوں کو رات کے وقت دریائے کوسو کے پار پہنچا دیا تھا اور باہر سے امداد لینے کا بھی انتظام کر لیا تھا۔ یہ امداد روسی نشانچیوں کی نظروں کے سامنے آرہی تھی۔ امام صاحب کے آدمی رات کو رسوں کی مدد سے دور بہت گہرائی میں دریا پر جا کر پانی لے آتے تھے تاکہ کنوئیں کے خراب پانی کی جگہ اسے پی سکیں۔ ایسے حالات میں تو محاصرہ ساری سردی کے موسم میں جاری رہ سکتا تھا۔ یہ ظالم سردی اس علاقے میں برفانی ہوتی ہے جو روسیوں کے لئے سخت ناقابل برداشت ہوتی تھی۔ (جاری ہے)

بقیہ : عرض احوال

بعد میں ۱۹۷۲ء سے بعض وجوہات کی بنا پر، جن کی تفصیل یہاں درج کرنا غیر ضروری بھی ہے اور نامناسب بھی، محترم ڈاکٹر صاحب اور مولانا مرحوم کے تعلقات میں وہ گرم جوشی نہ رہی اور باہمی فاصلہ بتدریج بڑھنے لگا۔ {۱} یوں ۱۹۷۴ء میں ماہنامہ "میثاق" مولانا مرحوم کی سرپرستی سے محروم

{۱} "وصل و فصل" کی یہ مکمل داستان محترم ڈاکٹر صاحب کی تالیف "دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر" کے حصہ دوم کے باب چہارم میں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔

ہو گیا ـــــ مولانا مرحوم نے اس جریدے کا نام "میثاق" کیوں تجویز کیا تھا' اس سوال کا جواب مولانا مرحوم کی ایک وقیع تحریر میں موجود ہے جسے افادہ عام کے لئے آئندہ اشاعت میں شائع کیا جائے گا۔

تفسیر قرآن کے ضمن میں مولانا مرحوم کی خدمات نہایت قابل قدر ہیں۔ اپنے استاد مولانا حمید الدین فراہیؒ کے طرز تفسیر کو آگے بڑھاتے ہوئے' خصوصاً نظم قرآن کے حوالے سے مولانا نے تفسیر قرآن کے ضمن میں ایک نئے مکتب فکر کی بنیاد ڈالی ہے۔ ان کی تفسیر "تدبر قرآن" قرآن حکیم کے طالب علموں کے لئے ایک قیمتی اثاثے کا درجہ رکھتی ہے۔ ایک دو مقامات کے استثناء کے ساتھ کہ جہاں مولانا نے اسلاف کی متفقہ رائے سے ہٹ کر اپنی الگ رائے اور اپنا موقف پیش کیا ہے' بحیثیت مجموعی "تدبر قرآن" اردو تفاسیر میں ایک ممتاز مقام کی حامل ہے۔

مولانا کو عربی زبان و ادب پر عبور حاصل تھا۔ وہ ایک جید عالم ہی نہیں' صاحب طرز ادیب بھی تھے۔ ان کی تحریریں نہایت مدلل اور انداز نگارش نہایت جاندار اور پر تاثیر تھا۔ ان کی دیگر تصانیف میں "دعوت دین اور اس کا طریق کار" بلاشبہ ایک معرکہ الاراء کتاب ہے جو مسلمانوں کے تحریکی لٹریچر میں ایک خصوصی امتیازی مقام رکھتی ہے ـــــ اللہ سے دعا ہے کہ وہ مرحوم کی خطاؤں سے درگزر فرماتے ہوئے خدمت قرآنی کے ضمن میں ان کی کاوشوں کو شرف قبول عطا فرمائے' ان پر رحمتوں کی بارش نازل فرمائے اور ان کی قبر کو نور سے بھر دے۔ آمین یا رب العالمین OO

رمضان المبارک کے دوران بیت اللہ شریف میں نماز وتر میں پڑھی جانے والی مفصل دعائے قنوت مع اردو ترجمہ' بعنوان :

مناجاتِ حرم

ترتیب و ترجمہ : ابو عبدالرحمٰن شبیر بن نور

جیبی سائز میں اعلیٰ طباعت اور دیدہ زیب ٹائٹل کے ساتھ' قیمت : 10 روپے

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن (۳۶ کے ماڈل ٹاؤن لاہور) پر دستیاب ہے

KHALID TRADERS

IMPORTERS – INDENTORS – STOCKISTS &
SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS,
FROM SUPER – SMALL TO SUPER – LARGE

AUTHORIZED AGENTS
NTN
BEARINGS

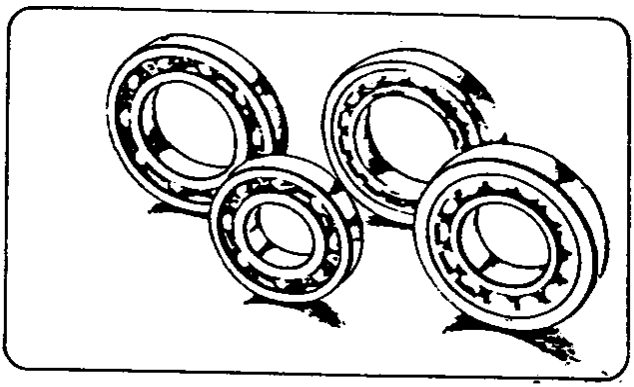

PLEASE CONTACT

TEL : 7732952-7735883-7730593
G.P.O. BOX NO. 1178, OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI-74200 (PAKISTAN)
TELEX : 24824 TARIQ PK CABLE : DIMAND BALL FAX : 7734776

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : Sind Bearing Agency 64 A-65,
Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400 (Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : (Opening Shortly) — Amin Arcade 42, Brandreth Road, Lahore-54000 Ph : 54169

GUJRANWALA : — 1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING

ONTHLY
Meesaq
AHORE

Reg. No. CPL 125
Vol. 47 No. 1
Jan. 1998